انتخاب
کلام آتش
مرتبہ
ڈاکٹر اعجاز حسین
زلفیں ہٹائے رخ روشن سے مہرباں
اختر شناس کہتے ہیں صبح گہن میں ہے
ہندستانی اکیڈمی
اترپردیس، الہ آباد

انتخاب

کلامِ آتش

مرتبہ

ڈاکٹر اعجاز حسین

ہندستانی اکیڈمی

اترپردیش، الٰہ آباد

تیسری اشاعت جنوری سنہ ۱۹۶۳ء

قیمت بارہ روپے

پرنٹر عبدالمجید، اسرار کریمی پریس الٰہ آباد

فہرست

انتخاب دیوان دوم

کچھ کتاب کے بارے میں

آتش کے دونوں دیوانوں کا انتخاب ہندوستانی اکیڈیمی کی اس اسکیم کے تحت میں کیا گیا ہے جو میں نے اپریل ۵۳ء میں مجلس علمیہ کے سامنے پیش کی تھی۔ خیال یہ تھا کہ اردو کے دواوین ایک ایک کر کے بازار سے غائب ہوجاتے ہیں، پرانے ایڈیشن ختم ہوتے ہیں تو دوبارہ چھپنے کی نوبت نہیں آتی اور فی الحال کوئی ادارہ ایسا نہیں جو از سرِ نو پرانے شعرا کے دیوان شائع کرے ایسی صورت میں درمیانی راستہ یہ ہو سکتا ہے کہ بجائے پورے پورے دیوان شائع کرنے کے انتخابات شائع کئے جائیں۔ اس اسکیم کو مجلس علمیہ اور مجلس انتظامیہ نے منظور کیا۔

حکم ہوا کہ پہلا نمونہ انتخاب کا میں پیش کروں چنانچہ امتثالِ امر میں یہ نسخہ حاضرِ خدمت ہے۔ انتخاب کا کام بڑا مشکل ہے۔ ہر شخص کا مذاق جداگانہ ہوتا ہے۔ اپنی پسند کے اشعار ہر شخص چاہتا ہے اور کلام کا منتخب کرنے والا اپنا معیار و مذاق پیش پیش رکھتا ہے۔ اسلئے یہ سوچنا کہ یہ انتخاب عام طور سے پسند کیا جائیگا فعل عبث ہے۔ لیکن اگر پڑھنے والوں میں سے نصف تعداد نے بھی پسند کر لیا تو بھی غنیمت ہوگا۔

میں نے کوشش کی ہے کہ آتش کا ہر مخصوص رنگ اس انتخاب میں آ سکے۔ اس اصول کو نباہنے میں ایسے اشعار بھی آ گئے ہونگے جو اچھے اشعار نہ سمجھے جائیں مگر ایسا نہ کرنے سے آتش کی خوبی و خرابی دونوں سامنے نہ آتیں اور مکمل آتش کا سمجھنا اس انتخاب کے ذریعہ سے ممکن نہ ہوتا جہاں تک ہوسکا ہے اس انتخاب میں اچھے ہی اشعار رکھے گئے ہیں لیکن ایسے اشعار بھی منتخب کئے گئے ہیں جو چاہے وہ کسی لحاظ سے معمولی ہوں مگر جن میں آتش کے خصوصیات نمایاں ہوں۔

انتخاب اچھا ہے یا بُرا اس کا فیصلہ آپ کی رائے پر ہے۔ اگر آپ نے توجہ کی اور اس انتخاب کی کمزوریوں یا خرابیوں سے مجھے مطلع فرمانے کی زحمت اختیار کی تو ان پر غور کر کے دوسرے ایڈیشن میں ترمیم کی کوشش کرونگا۔

اعجاز

نشیمن، الہ آباد

۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۴ء

مقدمہ

آتش کے کلام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت کے مذاق کو بھی دیکھ لیا جائے۔ ایک طرح سے یہ دور عبوری دور تھا اور لکھنؤ اسکول کی بنیاد اسی زمانے میں پڑ رہی تھی، ناسخ و آتش اس کے بانی سمجھے گئے۔ دہلی اسکول اپنا کام کر کے اب مائل بہ انحطاط تھا، سلطنت کی کمزوری نے حالات بدل دیئے تھے دہلی کا تاجدار شاہ شطرنج کی حیثیت سے کچھ ہی زیادہ تھا۔ نہ اس کے خزانہ میں روپیہ تھا اور نہ جاہ و اقتدار میں کچھ تھا برخلاف اس کے لکھنؤ کی نئی سلطنت میں بظاہر ہر طرح کی سرسبزی تھی۔ ہر طرف سے ہر طبقہ کے لوگ یہاں آرہے تھے۔

ایک ایک کر کے دہلی کا ہر ممتاز ادیب یہاں آگیا، عالم، فقیہہ، فن کار، صنعت گر، ارباب رامش و رنگ غرض کہ سب کا ٹھکانہ لکھنؤ ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نیا سماج نیا مذاق لکھنؤ میں پیدا ہوا جس میں رنگینی و علمیت زیادہ تھی مگر علوئے تخیل کی جگہ تصنع اور ایک خاص قسم کی مضمون آفرینی نے لے لی، دہلی اسکول کی سادگی کم ہو گئی تصوّف کی جگہ تعشق نے لے لی خیالات سے زیادہ زبان اور روزمرّہ کی صفائی پر زور دیا گیا ان تمام خوبیوں اور خرابیوں کے ساتھ شاعری بالخصوص غزل کی اشاعت ہمیشہ سے زیادہ ہونے لگی امیر غریب چھوٹے بڑے سب کو شعر و شاعری سے دلچسپی ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں شاعری برس پڑی ہے پوری سوسائٹی کا مزاج شاعرانہ ہو گیا اور شعر گوئی یا شعر پسندی آدابِ محفل بن گئی۔

یہاں تک کہ فطری طور پر لکھنؤ والوں کو اپنی اہمیت کا احساس ہوا اور بجا طور پر وہ اپنے کو اہل زبان، ادیب یا ادب کا خدمت گذار سمجھنے لگے چونکہ بدلے ہوئے ماحول میں نظریئے بھی بدل جاتے ہیں اس لئے لکھنؤ والوں نے زبان کے متعلق دہلی والوں سے الگ بھی کچھ اصول مرتب کئے الفاظ کی تراش خراش، محاوروں کا اختراع۔ تذکیر و تانیث کا اختلاف ایک طرف اور دوسری طرف شاعری کا رجحان بدلنا لکھنؤ اسکول کا خاص کارنامہ تھا جس نے اسکی انفرادیت دہلی والوں سے

بھی تسلیم کرا دی - یہاں ہم کو دہلی اسکول اور لکھنؤ اسکول کی برتری یا کمتری، اتفاق واختلاف پر کچھ نہیں کہنا صرف یہ بتانا ہے کہ جس دور اور اسکول میں آتش کی ذہنی نشو ونما ہو رہی تھی اس کی خصوصیات کیا تھیں۔

لکھنؤ اسکول کی ابتدا ہی میں اُردو زبان جوان ہو چکی تھی اس میں رنگینی کا آنا ضروری تھا۔ کیونکہ رنگینی اور جوانی کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے اور اتفاق سے فضا بھی وہ ملی جو کئی لحاظ سے سراپا جوانی تھی ایسے عالم میں کیف و مستی ماحول پر چھا گئی لیکن نشہ کی حالت میں زیادہ تر سامنے کی باتوں پر نظر گئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلد ہی کہنا اور زیادہ کہنا شعر گوئی کا خاصہ سمجھ لیا گیا، علمیت کا اثر خیالات و اصناف کی تخلیق کا باعث نہ ہوا بلکہ اس کا نتیجہ صنائع بدائع کی صورت میں ظاہر ہوا بلند خیالی کم ہو گئی عشق کی روح میں جھانکنے کی کوشش نہ کی گئی عموماً اس کے سطحی مفہوم پر زور دیا گیا چنانچہ معشوق کے سراپا، زیورات، لباس حرکات وسکنات کے لحاظ سے جو معشوق کا کردار پیش کیا گیا ہے اس میں متانت وحیا کے بجائے شوخی، بے حیائی زیادہ ہے - گمان ہوتا ہے کہ یہ کوئی طوائف ہے - ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ طوائف سے عشق نہ ہونا چاہیے یا طوائف انسان نہیں سچ تو یہ ہے کہ عشق ہر ایک سے ہو سکتا ہے طوائف بھی بنتِ حوا ہے اس سے بھی محبت ہو سکتی ہے یہ بھی ہم نہیں مانتے کہ عشق میں نفسانی خواہش نہ شامل

ہو یا اس کے شمول سے عشق مکروہ ہو جاتا ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ اس دور کے شعرا کے یہاں عشق میں سطحیت زیادہ آ گئی اور نفسانی خواہش کا غلبہ ہو گیا عشق و حسن کی اس ارزانی نے شعرا کو فکری عنصر کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا عشق کی گرانی و گہرائی کم ہوتی گئی سپردگی و ربودگی کے عناصر اتنے نہ باقی رہے جو دہلی اسکول کے آخری دور میں تھے رعایت لفظی کا چسکا لکھنؤ میں ہمیشہ سے زیادہ بڑھ گیا، سارا زور زبان کی صفائی اور تشبیہ و استعارے کے استعمال میں صرف ہونے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ شعرا الفاظ سے کھیلنے لگے داخلی پہلو کمزور ہوتا گیا خارجی عناصر تیزی کے ساتھ غزلوں میں جگہ پا گئے دیرپا خیالات اور ہمہ گیر جذبات کی جگہ معاملہ بندی اور شوخی نے لے لی۔ زبان میں صفائی و چستی لکھنؤ اسکول نے ہمیشہ سے زیادہ پیدا کر دی اور وہ اسکول تخلیقی مادہ کی کمی سے گو مٹ گیا ہو مگر زبان کی جو خدمت اپنے دور حیات میں کی اس پر ہمیشہ اردو ادب ناز کرتا رہے گا۔

یہ تھے حالات جن میں خواجہ آتش کو بحیثیت شاعر کے میدان ادب میں آنا پڑا۔ انکی افتادِ طبیعت پر دہلی اسکول کا اثر تھا اور ماحول کا اثر مذاق پر تھا۔ اس کشمکش میں وہ کبھی ادھر ہوتے کبھی اُدھر انھوں نے رسم زمانہ کی بھی پابندی کی اور اپنے مزاج کو بھی شاعری میں راہ دی۔

لکھنؤ اسکول کا اثر رسمیات و خارجی بیانات ان کے دیوان میں کافی ہے۔
اکثر وہ اس دور کے شاعرانہ سیلاب میں بہہ گئے ہیں مگر فطری مذاق کی
چھاپ بھی اپنا اثر نمایاں کر دیتی ہے بیان میں مردانگی اور خیال میں ابھار،
لکھنؤ کے کسی شاعر کے یہاں اتنا خوبصورت نہیں جتنا آتش کے یہاں ہے

آتش کے یہاں ایسا شعورِ فن بھی تھا جو اردو کے بہت کم شعراء کو نصیب
ہوا ہے وہ شاعری کو ایک عظیم فن سمجھ کر اس کا احترام کرتے تھے اس کی
اہمیت سے کماحقہ، واقف تھے جس کا ذکر ان کے کلام میں بار بار آتا ہے
اور ایک بڑی حد تک وہ ان پر عمل بھی کرتے ہیں اس فن شریف کو
مجروح دیکھ کر وہ اپنے دور پر نکتہ چینی بھی کرتے ہیں ان کو یہ احساس
تکلیف دیتا ہے کہ اکثر شعراء اس زمانے میں صرف کہنے کے لئے شعر کہتے ہیں
قافیہ پیمائی کا خبط غزل کا پیٹ بھرتا ہے ایسے اشعار میں مطلب بہت کم
ہوتا ہے چنانچہ ایک جگہ طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

شاعر حال گو تھا میں آتش

میرے ہر شعر میں بندھا مطلب

دوسری جگہ وہ بیان کرتے ہیں خیال محسوسات کو وجود میں لاتا
ہے شعور ترتیب دیتا ہے اور پھر فن کار شعر کے سانچے میں بڑی محنت

سے ڈھالتا ہے جب جا کے شعر، شعر ہوتا ہے یعنی بڑی دماغ سوزی و دیدہ ریزی کے بعد شعر پر اثر ہوتا ہے کہتے ہیں ؎

کھینچ دیتا ہے شبیہِ یار کا خاکا خیال ‏ فکرِ رنگیں کام اس پر کرتی ہے پرواز کا

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں ‏ شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آتش شعر کی ماہیت سے باخبر تھے فن کی اس گہرائی تک پہنچ چکے تھے جہاں سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ خیال کی کارفرمائیاں کیا کیا کر سکتی ہیں اور شعر کو وجود میں لانے کے لئے کتنے مراحل سے شاعر کو گذرنا پڑتا ہے۔ اس طرح سوچنے اور سمجھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ آتش کو شاعری کی عظمت کا احساس نہ تھا یا وہ اس کو مشکل فن نہ سمجھتے رہے ہوں یا اس نظریہ کے ساتھ جو اُن کا تھا وہ فن کاری کو پیش نہ کرنا چاہتے ہوں - انکے احساس کا ترجمان ان کا یہ شعر ہے کہ ؎

شعر الہامی یہ پہونچاتی ہے وہ لاتا تھا وحی + فکرِ عالی منزلت بھی ہمرہ جبرئیل ہے

گو رسم اور رواج یا مذاق زمانہ سے مجبور ہو کر ہر جگہ اس اصول پر وہ قائم نہ رہ سکے ایسے اشعار بھی کہہ گئے ہیں جو صرف کہنے کے لئے کہے گئے لیکن یہ ان کی افتاد طبیعت کا تقاضہ نہ تھا ان کی شاعری کا یہ منشاء نہ تھا۔ ایسے اشعار میں ہم کو آتش کا خاص رنگ بہت کم نظر آتا ہے۔ عموماً

الفاظ کے انتخاب اور جذبات کے مظاہرے میں ان کے طرز تخیل کا دخل ہوتا ہے اس لئے کہ کوئی خیال مجرد نہیں آتا الفاظ کیساتھ دماغ میں آتا ہے سوچنے والے کا ظرف جتنا بلند ہوتا ہے اسی لحاظ سے اور اسی راستہ پر خیالات آتے ہیں انکی پیدائش استعداد فکر کے لحاظ سے ہوتی ہے آتش کا طرز تخیل فقیرانہ و آزادانہ تھا وہ زندگی کو جس طرح سوچتے تھے اور اپنے طور پر جس بلندی سے دیکھتے تھے اسی طرح سے خیالات ذہن میں آتے تھے اسی پایہ کے الفاظ بھی خیالات کی ترجمانی کے لیئے ان کو مل جاتے تھے اس طریق کار میں ان کے مزاج کو بڑا دخل ہے ثبوت کے لئے ان کی وہ غزل کافی ہے۔ جس میں نواب پر طنز اور اپنی بے نیازی و بے باکی کا ثبوت دیا ہے ہمارا مطلب اس مشہور غزل سے ہے جو انھوں نے نواب اور ناسخ کی موجودگی میں پڑھی تھی جس کا مطلع ہے کہ ؎

سن تو سہی جہاں میں ہے ترا افسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا؟

ان کی افتاد طبیعت میں مردانگی کے جوہر تھے وہ دنیا و مال دنیا پر رسمی طریقہ سے اظہار تنفر نہیں کرتے بلکہ یہ ان کی سوچی سمجھی رائے تھی انکے اس نظریہ سے اختلاف ہو سکتا ہے مگر اسکو رسمی بات کہہ کر ٹالا نہیں جاسکتا۔ ان کو اپنی مردانگی اور مرد ہونے کا اتنا احساس تھا کہ اور تو

اور وہ معشوق کو بھی سخت الفاظ میں یاد کر جاتے ہیں غصّہ میں اگر اسکو، کودن، جاہل، خونخوار وغیرہ کہہ جاتے ہیں اور اپنی خودداری سے متاثر ہو کر اس سے نہ ملنے اور دور رہنے کا تہیہ کرتے ہیں۔ مثال کے لئے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کون ملتا ہے اگر ملتا نہیں وہ نازنیں ۔ میں بھی اس نا آشنا کا آشنا ہوتا نہیں

ملتا جو نہیں یار تو ہم بھی نہیں ملتے ۔ غیرت کا اب اپنے بھی تقاضا ہے تو یہ ہے

ملک الموت سے کچھ کم نہیں خونخوار کی شکل ۔ مر گیا جس کو نظر آئی میرے یار کی شکل

جنگ جو یار کا اصلاح پر آیا نہ مزاج ۔ عقل سے ہوتا ہے فی الواقعی جاہل خالی

اسی طرح دنیا کو سخت و سست کہہ کر اپنی مردانگی اور بے نیازی کا ثبوت دیا کرتے تھے جس لب و لہجہ میں وہ دنیا کو مخاطب کرتے ہیں یا جس حقارت سے وہ دنیا پر نظر ڈالتے ہیں وہ رسمی بات نہیں اس میں انکے دل کی پکار ان کے شدت احساس کی جھلک ہے مثلاً ؎

طلب دنیا کو کر کے زن مریدی ہو نہیں سکتی ۔ خیالِ ابروئے ہمتِ مردانہ آتا ہے

یہ ترک کردہ ہے شہ مرداں سے پیر کی ۔ دنیا کا خواستگار جو ہے زن مرید ہے

عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے ۔ ہوائے گل میں ہم کس وادیٔ پُرخار میں آئے؟

مریں نامرد اس زن پر ہزاروں　　　　نہیں اک مرد کو دنیا سے مطلب

ممکن ہے آتش کا یہ مزاج معمولی نظر سے دیکھا جائے مگر حقیقت میں یہ بڑی اہمیت
رکھتا ہے اپنے زمانے اور اس سے قبل کی روایات سے یہ ایک ایسی بغاوت تھی
جو عہد جدید سے پہلے کہیں اور نظر نہیں آتی عہد قدیم سے ہماری شاعری کا مذاق یہ
تھا کہ معشوق کی پرستش اس کے احکام کی پابندی، اس کے زجر و توبیخ پر خندہ
پیشانی کا اظہار ہر حال میں واجب تھا، اس کی بیداد کی داد نہ دینا بھی کمزوری
سمجھی جاتی تھی۔ وہ چاہے جو سلوک کرے اس سے ملنے کی خواہش ضروری تھی ان
باتوں کی مخالفت بزدلی یا عشق کی توہین سے تعبیر کی جاتی تھی۔ اس ماحول میں
اس قسم کے اشعار روایت سے بغاوت چاہے نہ سمجھے جائیں مگر انفرادیت کا ثبوت
ضروری دیتے ہیں ان سے خود داری اور اخلاق کی بنیاد استوار ہوتی ہے انسان انسان
معلوم ہوتا ہے معشوق ہو یا کوئی اور وہ اپنے کو کسی کے سامنے ذلیل نہیں دیکھنا چاہتا۔
آتش کی انفرادیت کو امتیازی حیثیت دینے میں کئی اور باتیں معاون ہوئیں
اردو شاعری میں عشاق کی ناکامی و حرماں نصیبی عام ہے کبھی کبھی تو خیال ہوتا ہے کہ
شاید وصل و شادکامی کسی عاشق کی قسمت میں تھی ہی نہیں، انداز عشق جو ایک
کا ہے وہی سب کا ہے، ہو سکتا ہے کہ عشق میں عموماً نتیجہ یہی ہو لیکن وصل کا فقدان
حیرت انگیز ہے محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی روایتی آداب کا نتیجہ ہے ورنہ کچھ لوگ تو
ایسے ہوتے ہی ہیں جن کو وصل نصیب ہوتا آتش نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش
کی ہے عشق میں جہاں اپنی ناکامی کا ذکر کیا ہے وہاں کامیابی کا بھی تذکرہ کر دیا ہے

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسمی عاشق نہ تھے یا روایتی نظریئے کے پابند نہ تھے جو کچھ معاملات محبت میں گذرے ہیں بیان کر گئے ہیں ان کا عشق انسان کا عشق ہے وہ عملی دنیا میں رہتے تھے جہاں کامیابی و ناکامی دونوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے آتش نے محض ہجر کے مضامین پر اکتفا نہیں کی بلکہ وصل کا ذکر خیر بھی جا بجا کر گئے ہیں مثال کے لیئے چند اشعار ملاحظہ ہوں -

ہوا ہماں آ کر رات بھر وہ شمع رو برسوں
رہا روشن مرے گھر کا چراغ آرزو برسوں

شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا

مبارک شب قدر سے بھی وہ شب تھی
سحر تک مہ و مشتری کا قرآں تھا

وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس میں دن کی
زمیں پر سے اک نور تا آسماں تھا

نکالے تھے دو چاند اس نے مقابل
وہ شب صبح جنت کا جس پر گماں تھا

عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل
فرح ناک تھی روح دل شادماں تھا

مشاہد جمال پری کی تھیں آنکھیں
مکان وصال اک طلسمی مکاں تھا

حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی
کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

ان اشعار کی بے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ خیالی نہیں بلکہ سچ مچ وصل ہوا تھا - الفاظ کی دلاوبست نیز روشعر کے علاوہ جو لذت بیان میں پیدا ہو گئی

ہے وہ اصلیت کا پتہ دیتی ہے ایسے موقع پر جو خوشی ہوتی ہے اسکا مزہ ہر شعر میں آگیا ہے یہاں تک کہ آتش اپنے محسوسات میں گم ہو گئے ہیں۔ اس خاص موقع پر یہ امتیاز بھی مد نظر نہیں رہا کہ وہ غزل کہہ رہے ہیں یا نظم دونوں کے حدود مل گئے ہیں یہ پوری غزل باوجود غزل ہونے کے موڈ (Mood) کے لحاظ سے نظم کا پرتو لئے ہوئے ہے۔ خوشی کے سیلاب میں شاعر بہہ گیا ہے حالانکہ اس واقعہ کو برسوں گذر چکا ہے مگر جوانی گذر جانے کے بعد بھی شدت کے ساتھ اس کی یاد دل کو تڑپا رہی ہے۔ اُردو شاعری میں اس پہلو پر اس تیور کے ساتھ ایسے اشعار شاید ہی کسی اچھے شاعر کے یہاں مل سکیں۔ یہیں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آتش مجازی عشق کو گناہ یا مکروہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسے فطری اور باعثِ مسرت سمجھتے تھے اسی لئے ان کا جمالیاتی احساس قابل قدر ہو جاتا ہے ان کا عشق صحت مند اور پُرخلوص معلوم ہوتا ہے اور اسی سے اُن کے عشقیہ اشعار میں رعنائی و کیفیت آجاتی ہے۔ آتش کے یہاں رسمی عشق اور اسی طرح کے خیالات کی کمی نہیں مگر جب وہ اس دائرے سے الگ ہو کر اپنے خلوص و احترام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کا کوئی جواب مشکل سے نظر آتا ہے وہ معشوق کے سراپا کو مقدس اور اس کے عشق کو عبادت سمجھتے ہیں یہ انداز بیان صوفیانہ بھی نہیں کہ دھوکا ہو سکے کہ وہ تصوف کو پیش نظر رکھکر اظہار خیال کرتے ہیں بلکہ عشق مجازی میں وہ اپنے بیان کو یہ رنگ دیتے ہیں دنیاوی معشوق کے خد و خال کو مقدس اور مذہبی اجزا سے تشبیہ دے کر شعر میں تازگی اور لذت پیدا کر دیتے ہیں مثال کے لئے دو تین شعر ملاحظہ ہوں ؎

حسن سے قدرت خدا کی رو نظر آیا مجھے   ریش پیغمبر ترا گیسو نظر آیا مجھے

دست علی کی ضرب کا جنبش میں ہے اثر   ان ابروؤں میں معجزہ ہے ذوالفقار کا

ان تشبیہات میں فرسودگی یا روایتی بیان کا شائبہ نہیں ، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسے فقرے یا ایسی تشبیہات و استعارے عہد قدیم سے اردو شاعری میں مروج ہیں مثلاً رخ کو مصحف کہا گیا ہو اسکی گلی کو کعبہ سمجھا گیا ہو معشوق کو یوسف بتایا گیا ہو ایسی تشبیہات و استعارے جزو بیان ہو چکے تھے غیر شعوری طور پر بھی شعرا کی زبان و قلم سے نکل جاتے تھے مگر جیسی تشبیہات آتش کے ایسے اشعار میں ملتی ہیں ان کی مثالیں بہت کم ہیں اگر اس کارنامے میں یہ بات بھی شامل کرلی جائے کہ شاعر صدق دل سے ذوالفقار اور ریش پیغمبر کو مانتا ہے ان کا احترام کرتا ہے تو مجازی عشق و معشوق سے اسکا شغف اور بھی قابل قدر نظر آئیگا اس کا نظریہ عشق و ہوس پر مبنی نہیں وہ ایسے عشق و معشوق میں ایک روحانی انبساط پاتا ہے وہ اپنی محبت کو سماجی نقطۂ نظر سے بھی کوئی شرم کی بات نہیں بلکہ باعث فخر سمجھتا ہے اور بالاعلان اس کا تذکرہ کرتا ہے اسکی بے باکی و جرات قابل داد ہے۔ ممکن ہے اس سلسلہ میں یہ خیال ہو کہ ہمارے شعراء نے اکثر انبیا سے بے تکلفی یا گستاخی سے تخاطب ظاہر کیا ہے ۔ خضر ، الیاس ، عیسیٰ ، موسیٰ ، نوح وغیرہ کا مذاق اڑایا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی سوچنا ہے ۔ کیا کبھی جناب رسالتماب یا ائمہ اطہار کا ذکر بھی ایسے ہی عنوان سے کیا ہے شائد کوئی مثال نہ ملے گی اس لئے آتش کے یہاں یہ بیانات دیکھ کر ہم انکی بے باکی اور خلوص کی قدر کرنے پر مجبور ہیں

آتش نے تشبیہات کے انتخاب میں ایک اور جدت پسندی کا ثبوت دیا ہے اکثر مقامی اجزا سے وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ اشعار کو سجاتے ہیں حالانکہ کبھی کبھی مشبہ بہ بھدے یا مکروہ ہوتے ہیں مثلاً جونک، وغیرہ مگر جس مفہوم کی وضاحت کے لئے یہ لائے جاتے ہیں شائد ان سے بہتر کسی اور طرح ممکن بھی نہیں مثلاً۔

غم ہجراں پئے لیتا ہے لہو جونک کیطرح   کیوں نہ ہو رنگ رخ آتش دل گیر سفید

تیرہ روزان ازل کو نور سے بہرہ نہیں   شور اکثر کرتے ہیں کوّے شب مہتاب میں

تشبیہات میں ہندوستان کے اکثر جانور، پھل، پھول وغیرہ سے مدد لیکر اپنی امتیازی خصوصیت کو نمایاں کر دیتے ہیں اپنی انفرادیت و وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ صرف ایرانی یا عربی مشبہ بہ سے کام نہیں لیتے ان کی نظروں میں ہندوستان کی چیزوں کی بھی اہمیت کم نہیں وہ برابر ایسی چیزوں کو پیش کرتے رہتے ہیں مثلاً کنول، تاڑ، ام، مرگ چھالا وغیرہ، خاص بات یہ ہے کہ صرف ان کا ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ اس ہوشیاری و فن کاری سے ان کو قلم بند کرتے ہیں کہ شعر میں تازگی آجاتی ہے۔ مثال کے لئے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مے ہم سے غریبوں نے نہ پی سیکڑوں ہوے   اس تابش خورشید کی تاثیر سے ٹپکے

مضموں کہو آتش انھیں یا ام انھیں سمجھو   ہاتھ آئے ہیں دو چار یہ تقدیر سے ٹپکے

آتش کے اس رجحان سے صاف واضح ہے کہ وہ عوام سے الگ نہ تھے،

ان کے الفاظ۔ ان کے اچھے محاورے استعمال کرنے میں انکو تکلف نہ تھا۔ گویا وہ مذاق عام یا رجحان خاص سے غلامانہ طور پر متاثر نہ تھے بلکہ فن اور واقعات کو اپنے طور پر سوچتے تھے ہر معاملہ میں ان کی اپنی رائے بھی ہوتی تھی چنانچہ اس کے ثبوت میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ لکھنؤ اسکول نے فارسی الفاظ کی جمع جو 'ان' پر ختم ہوتی ہیں بغیر صفت کے استعمال کرنا ترک کر دیا تھا، مگر آتش نے جہاں کہیں جی چاہا ہے خلاف امید استعمال کر دیا ہے۔ مثلاً

رفتگاں کا بھی خیال اے اہل عالم چاہئے عالم ارواح سے صحبت کوئی دم چاہئے

اجل آ، ورنہ اب یہ رشک مجھکو قتل کرتا ہے
عزیزاں پاؤں کو پھیلائے سوتے ہیں مزاروں میں

کیا نفاق انگیز ہم جنساں ہوائے دہر ہے
نیند اڑ جاتی ہے سننے سے نفیر خواب کو

اسی طرح اسکی مثالیں جا بجا ان کے یہاں مل جاتی ہیں کہ فاعل اگر جمع ہو تو صفت بھی جمع میں آجاتی ہے جیسے ؎

عہد طفلی میں بھی تھا میں بس کہ سودائی مزاج بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو میں نے بھاریاں

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ لکھنؤ اسکول نے ہندی الفاظ کو کم کر کے عربی فارسی کو جگہ دی۔ اس خیال کو آسانی سے غلط نہیں کہا جا سکتا مگر اسی اسکول میں ہم کو ایسے شعراء ملتے ہیں جن کے یہاں ٹھیٹ ہندی الفاظ اور مخصوص ہندوستانی رسم و رواج کے اشارے بڑی خوبی سے ملتے ہیں آتش بھی ایسے ہی شعراء میں آتے ہیں ان کو بھی اس قسم کے الفاظ یا مصطلحات کے استعمال میں ایک خاص

لذت محسوس ہوتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ ایسے موقع پر ان کے یہاں آورد کے بجائے آمد کا غلبہ ہوتا ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صرف لانے کے لئے یہ الفاظ لائے گئے ہیں۔ دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

تمہاری ابروئے کج پر تھا دوج کا دھوکا
سیاہ ہوتا اگر عید کا ہلال ہوا

حکم کر آتش کہ بازار محبت بند ہو
اب کریں ٹُٹ پونجئے گرم اپنی دکانداریاں

سپاہیانہ الفاظ و اصلاح جتنی آتش کے یہاں ہے اتنی اُردو کے کسی غزل گو کے یہاں شاید ہی ملے ایسے الفاظ کا استعمال نہایت برجستہ و بامحل ہوتا ہے یہ الفاظ جب حسن و عشق کی داستان میں آجاتے ہیں تو اشعار میں ایک خاص تازگی محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً

موئے مژہ ہر ایک چھری ہے بکنیت کی
بدبیں ملائے آنکھ تو تیز نگاہ کاٹ

بے وجہ عاشقوں سے نہ منہ اے صنم چھپا
بے جرم و بے قصور نہ حق سیاہ کاٹ

اس سے صرف یہی نہیں اندازہ ہوتا کہ آتش اپنے زمانے کے صحت مند مذاق سے متاثر تھے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخصوص الفاظ و محاورات سے تشبیہات میں تازگی پیدا کرنے کی بھی کوشش کرتے تھے جو ان کی جدت پسندی کا ثبوت ہے۔

اردو شاعری میں تمثیلات کا غلبہ غالباً مرزا صائب کی شاعری کے اثر سے ہوا لکھنؤ اسکول میں اس رجحان کا اثر ہمیشہ سے زیادہ نظر آتا ہے۔ ایک مصرعہ میں اپنی بات کہکر دوسرے مصرعے میں ثبوت کے لئے کوئی ایسی

دلیل پیش کرنا جس کا رشتہ ایک ہمہ گیر اصول سے وابستہ ہو یا کوئی ایسا واقعہ قلم بند کرنا جو اپنی جگہ پر مسلم ہو نہایت اچھی بات تھی جذبات کو واقعات یا دلائل کا سہارا مل جانا بات کو ذہن نشین کر دیتا ہے یہ رویہ آتش کے علاوہ اور شعراء کے یہاں بھی نظر آتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ دوسرے شعراء عموماً اپنا خیال حسن و عشق کی دنیا تک محدود کر دیتے ہیں آتش کے یہاں زیادہ تر حکیمانہ اور ہمہ گیر مسائل اس سلسلہ میں نظم ہوتے ہیں صحت مندی، زور و جوش کے عناصر خود بخود شعر میں اُبھر آتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ بیان منطق و استدلال کی قوت پا کر بڑا پُر اثر ہو گیا ہے۔ مثال کے لئے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رنج سے راحت نصیب طبع شیریں کار ہے
بار لاتا ہے قلم ہونے سے نخل انگور کا

عدم کو بازگشت روح ہے اک روز ہستی سے
ارادہ بندھ رہا ہے مصر سے یوسف کو کنعاں کا

نفس شقی بھی روح کے ہمراہ تن میں ہے
یوسف کیساتھ گرگ بھی اس پیرہن میں ہے

ناکسوں سے اہل عزت کو ہے لازم احترام
میل تانبے کا ہوا جس سیم و زر میں داغ ہے

اردو شاعری میں تصوف روز ازل سے دخیل ہے قلی قطب شاہ سے لے کر دور جدید کے پہلے تک قریب قریب ہر شاعر کے یہاں یہ عنصر ملتا ہے یہ صحیح ہے کہ اکثر و بیشتر شعراء بالنفسہ صوفی اس معنی میں نہ تھے جس معنی میں خواجہ میر درد یا آسی غازی پوری مگر جس طرح رندی، لامذہبی۔ عاشقی وغیرہ سے فطری مناسبت نہ ہونے کے باوجود ان باتوں پر طبع آزمائی ہوتی رہی اسی طرح تصوف پر بھی کچھ نہ کچھ کہا جاتا رہا۔ تصوف کی رنگینی و ہمہ گیری دیکھ کر قریب قریب ہر شاعر صوفیانہ عقائد کو اپنے کلام میں جگہ دیتا رہا۔ آتش کے یہاں بھی یہ عقائد قلم بند

ہوئے ہیں۔ قبل اس کے کہ آتش کی صوفیانہ شاعری پر کچھ کہا جائے اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ خلیل الرحمان اعظمی صاحب نے آتش کے تصوف پر نگار ستمبر ۴۹ء میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں علاوہ اور باتوں کے میرے اس خیال پر اعتراض ہے کہ آتش کو صوفی شاعر کیوں سمجھا گیا" اس جواب کیلئے یہ جگہ مناسب نہیں لیکن چونکہ آتش کی صوفیانہ شاعری پر ہم کو بھی کچھ کہنا ہے اسلئے ضمناً خلیل الرحمان صاحب کے اعتراضات پر ایک سرسری نظر ڈال لینا نامناسب نہ ہوگا ممکن ہے اس طرح آتش کی صوفیانہ شاعری پر کچھ اور روشنی پڑ سکے۔

میں نے اپنی کتاب آئینہ معرفت میں آتش کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اس فقیر منش بزرگ کو تصوف سے ایک خاص لگاؤ تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ان کو ویسا صوفی شاعر نہیں سمجھا جیسے میر درد تھے مگر باوجود اس کے میں آتش کو صوفی کامل مانتا ہوں اس لئے کہ انھوں نے تصوف کی روح جذب کر لی تھی جو انکے عرفان کا نتیجہ تھی۔ خلیل الرحمان صاحب سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے میری کتاب آئینہ معرفت (اردو شاعری میں تصوف) کا موضوع اردو کے صوفی شعرا کا تذکرہ سمجھا حالانکہ سرورق پر جلی قلم سے لکھا ہوا ہے "اردو شاعری میں تصوف" معلوم نہیں انکو یہ عبارت کیوں نظر نہ آئی اس کتاب میں ہم نے کہیں نہیں لکھا کہ یہ شعرا جن کا ذکر کیا گیا ہے صوفی تھے بلکہ اس کتاب میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اردو شاعری میں تصوف کیسے آیا اور اردو میں اس کے اجزا کیا کیا ہیں اور کس طرح ہیں۔ دوسری بات خلیل الرحمان صاحب نے یہ لکھی ہے کہ آتش کی زندگی آزادانہ

قلندرانہ ضرور تھی لیکن صوفیانہ ریاضت، عبادت اور خانقاہ والے تصوف سے بہت دور تھی جو ان کے آباو اجداد کی تھی" اس سے وہ یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ آتش صوفی نہ تھے اس منطق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلیل الرحمان صاحب صرف ان بزرگوں کو صوفی سمجھنا چاہتے ہیں جو رسمیات کے پابند ہوں۔ یہ نظریہ جتنا مہمل ہے ظاہر ہے صوفیوں کے لئے یہ قید لگانا کچھ عجب سی بات ہے۔ انھوں نے مضمون لکھتے وقت غالباً اس اصول کو نظر انداز کر دیا ہے کہ "اُنظُر مَا قَالَ لَا تَنظُر مَن قَالَ" محسوسات کا جائزہ فنی و تنقیدی زاویہ سے نہیں بلکہ شخصیات کی کسوٹی پر لائق مضمون نگار نے جانچنے کی کوشش کی ہے اگر ان کا یہ اصول مان لیا جائے تو تمام اُردو شاعری مجروح نظر آئیگی اسلئے کہ ان کے نزدیک چونکہ شعراء کا عمل ان اصولوں یا باتوں پر نہ تھا جو وہ کہتے تھے اسلئے اسکا عامل نہ سمجھنا چاہئے جس کی وہ تلقین کرتے ہیں یا ان کے ایسے محسوسات قابل قدر نہیں اس لئے کہ وہ ان پر عمل پیرا نہ تھے۔ آگے چل کر خلیل الرحمان صاحب اس کو مان لیتے ہیں کہ اس کے باوجود آتش کی شاعری کے اصل حصہ میں بھی ہمیں تصوف ملتا ہے" اسی طرح کی کچھ اور دلچسپ باتیں خلیل الرحمان صاحب نے تحریر فرمائی ہیں مثلاً یہ کہ "سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ آیا وہ (آتش) مذہبی برتری کا قائل ہے یا نہیں کیا وہ اپنے مذہب کو تمام مذاہب سے بہتر سمجھتا ہے یا وہ عام انسانی قدروں کو مانتا ہے آپ آتش کا دیوان پڑھیں گے ...... وہ اس قسم کی حد بندیوں کا قائل نہیں" ہمیں حیرت ہے کہ کس طرح لائق مضمون نگار نے آتش کے دیوان پڑھے کہ ان کو کہیں یہ بات نظر نہ آئی کہ آتش اپنے مذہب

پر فخر کرتا ہے دوسرے مذاہب پر طنز کرتا ہے ایک نہیں متعدد مقامات پر آتش کے دیوان میں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ وہ جس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں وہ برتر ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مرد مومن ہوں میں اثنا عشری مذہب ہے
ساغر صافِ مے حبِ علی مشرب ہے

ہندو کے مردے لپٹیں کمخواب و گل بدن میں
دنیا کی زیب و زینت کفار کو مبارک

طریق احمد مرسل سی شاہراہ نہیں
فقیر بن کے قدم مار اسمیں اے آتش

کیا اس شعر میں بھی آتش اپنے مذہب کی برتری پر نازاں نہیں نظر آتا؟ ایسے اور بھی اشعار ہیں جن میں آتش نے وہ سب باتیں کہی ہیں جو خلیل الرحمان صاحب کو نظر نہ آسکیں۔ بعض اشعار میں دوسرے فرقے و مذہب کے خلاف اتنی تیز باتیں ہیں کہ ہم یہاں ان کو پیش کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے انھوں نے آتش کے دیوان سے صرف ایسے اشعار کا انتخاب کیا جو ان کے زاویۂ نگاہ کو سہارا دے سکیں اور چند اشعار اپنے مطلب کے نکال کر پیش کر دیئے جن میں عام انسان' اور مذہب کی تفریق نہ ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ آتش جیسا تھا ویسا نظر نہ آسکا خلیل الرحمان صاحب کو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ روز ازل سے غزل میں متضاد خیالات ملتے ہیں کبھی شاعر اسلام کا دلدادہ نظر آتا ہے کبھی قشقہ کھینچتا ہے، دیر میں بیٹھتا ہے، کبھی اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے کبھی مادی دنیا میں رہ کر مطمئن نظر آتا ہے، کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے۔ یہی حال آتش کا بھی ہے

کبھی وہ عام انسان کو اور جملہ مذاہب کو یکساں تصور کرتا ہے کبھی صرف اپنے مذہب کو سب سے افضل سمجھ کر فخر کرتا ہے۔

لائق مضمون نگار نے آتش کو اپنی منطق سے صوفی شاعر نہ تسلیم کرتے ہوئے آتش کے ان اشعار کی تعریف کی ہے جن میں تصوف کے مسائل قلم بند کئے گئے ہیں فرماتے ہیں "لیکن اس کے باوجود آتش کی شاعری کے اصل حصہ میں ہمیں تصوف ملتا ہے جو میر، غالب، وغیرہ دوسرے شعرا کے یہاں نہیں" آتش کی اس صوفیانہ شاعری کو موصوف نے "تہذیبی تصوف" اپنے طور پر کہا ہے۔ اس کتاب میں اس کی گنجائش ہے نہ موقع کہ سارے مضمون پر بحث کی جائے بلکہ بحث ختم کرنے کے لئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ آتش کے یہاں تہذیبی تصوف ہے اور ایسا ہے جو بقول خلیل الرحمان صاحب کے "میر، غالب وغیرہ کے یہاں نہیں" اسی تصوف کے متعلق یہاں ہم کچھ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

تصوف کے اہم مسائل پر آتش نے جو روشنی ڈالی ہے اس کا بیان کرنا بھی یہاں باعث طوالت ہے کیونکہ ہمارا موضوع سخن آتش کی مجموعی شاعری ہے نہ کہ صرف تصوف، آتش کے یہاں تصوف نے ایک ایسی کیفیت و سرمستی پیدا کر دی ہے جو کسی اردو شاعر کے یہاں نہیں ملتی ان کی افتاد طبیعت اور طرز تخیل نے ایسے اشعار میں ایک خاص امنگ، عزم اور بے نیازی پیدا کر دی ہے جو اُن کی شاعرانہ خصوصیات کے لئے طرۂ امتیاز ہے جس کا اظہار وہ نہایت بے باکی سے کرتے ہیں۔ یہ خصوصیات عام طور سے ان کی شاعری میں نظر آتی ہیں اور ان کے اس رویہ پر اثر انداز ہیں جو انکی زندگی کے لئے روز مرہ

کی بات ہو گئی تھی جس نے ان کو اتنا نڈر بنا دیا تھا کہ اور تو اور بادشاہ و امراء سے
بے تکلف ہو کر باتیں کرتے تھے ان کی کمزوریوں کو پیش کر دیتے تھے اور اپنی
روش پر ناز کرتے تھے، چنانچہ کہتے ہیں ؎

زمیں پر بوریا ہے بوریئے پر مرگ چھالا ہے
فقیر عشق بھی سہ منزلہ کا رہنے والا ہے

تصوف کے مسائل نے ان کے کلام میں ایک ایسی معنویت پیدا کر دی
ہے جو اُس دور یا لکھنؤ اسکول میں نظر نہیں آتی وہ مضمون آفرینی کے لئے
بال کی کھال نہیں نکالتے بلکہ زندگی میں جد و جہد اور امید کی لہر دوڑا دیتے
ہیں پست ہمتی و آرام طلبی کو بُرا بھلا کہتے ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے
فقط عنایتِ پروردگار راہ میں ہے

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایۂ دار راہ میں ہے

بلائے جانِ مسافر ہے خواب شیریں بھی
یہی وہ شہد ہے جو زہر مار راہ میں ہے

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل نہ ٹھہر آتش
گلِ مراد ہے منزل میں خار راہ میں ہے

ہمارے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان اشعار میں ہر جگہ تصوف ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ
تصوف کی وجہ سے ان کے اندازِ تخیل میں ایک ایسا عنصر آ گیا تھا جو عموماً ان کے
کلام میں شگفتگی اور امنگ کی لہر دوڑا دیتا ہے غالباً اسی تصوف کا اثر ہے کہ
ان کے اظہار عشق میں لذت اور جوانی کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً اسی
غزل میں کے جس کے اشعار اوپر پیش کئے گئے خالص عشق و حسن کے متعلق
بھی بعض اشعار بے حد پُر کیف ہو گئے ہیں ؎

ہوائے دورِ مے خوش گوار راہ میں ہے
خزاں چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں ہے

شباب تک نہیں پہونچا ہے عالم طفلی　　　ہنوز حسن جوانی یار راہ میں ہے

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آتش کا تمام تر کلام جد و جہد کی تلقین ہے ان کے یہاں ایسے عناصر بھی ہیں جو انسان کو مقدر کا پتلا بناتے ہیں، جد و جہد سے روکتے بھی ہیں اور ہر حال میں خوش رہنے کی ترغیب دیتے ہیں مثلاً

قسمت میں جو لکھا ہے وہ آئیگا آپ سے　　　پھیلائیے نہ ہاتھ نہ دامن پسار یئے
ٹیڑھے سیدھے سے غرض رکھتے نہیں اپنے آتش　　　جو کہے یار ہمیں سن کے یہ کہنا بہتر،
اختیاری حرکت جان نہ مجبوروں کی　　　لئے جاتی ہے جدھر ہمکو قضا جاتے ہیں

لیکن یہی متضاد یا مختلف باتیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ باوجود تصوف سے وابستگی کے وہ یہاں بھی اپنے طور پر سوچتے تھے اپنے تجربات کو بھی کام میں لاتے تھے نہ رسمی عشق میں کورانہ تقلید کرتے تھے نہ تصوف میں بلکہ اپنی شخصیت کو ہر معرکہ میں پیش پیش رکھتے تھے ان کا تخیل، ان کے محسوسات　　اُن کی معلومات سب ان کی شخصیت کے محور پر گردش کرتی تھیں جس وقت جو کیفیت طاری ہوتی تھی بے لوث ہو کر قلم بند کر دیتے تھے شائد اس شعر میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع　　　اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

آتش کے تصوف میں مسائل پر مستقل گفتگو نہیں ملتی بلکہ فنا، بقا، رضا، ترک، معرفت، توکل وغیرہ پر جستہ جستہ خیال آرائی ہے جس میں عموماً گہرائی اور خلوص ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ لب و لہجہ میں ایک ابھار ہے جو مجبوری و بے بسی سے کوسوں دور بلکہ بلند آہنگی کی قابل قدر مثال ہے۔ دو چار اشعار ملاحظہ ہوں۔

فقیری جس نے کی گویا کہ اس نے بادشاہی کی　　　جسے ظلِ ہما کہتے ہیں درویشوں کا کمل ہے

معرفت میں تری ذات پاک کے اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

اے ہما پیش فقیری سلطنت کیا مال ہے بادشاہ آتے ہیں پابوسِ گدا کیواسطے

یہ حال ہوا اس کے فقیریں سے ہویدا الودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُس کا

آتش کو تصوف سے ذہنی لگاؤ تھا اس سے ان کے سارے کلام میں چار چاند لگ گئے بے باکی، وسیع النظری، بلندی فکر اسی کا پر تو ہیں لیکن اگر خود ان میں فطری بانکپن، سپاہیانہ جرأت نہ ہوتی تو سب کچھ بے کار ہو جاتا یہ بات مکمل نہ ہوگی اگر ہم اس کا اعتراف نہ کریں کہ ان کو شاعری کا اتنا احترام تھا کہ تصوف کے بہت سے پجاریوں کو نہ تھا دل و دماغ کی ساری قوتوں کو اپنی شاعری کے سنوارنے میں صرف کرتے تھے وہ عموماً اسی فکر میں رہتے کہ کس جذبہ کو کس خیال کو کون سی زبان دی جائے کس بحر میں پیش کیا جائے یہی وجہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے لکھنؤ اسکول کے تمام غزل گو شعرا سے زیادہ ان کے کلام میں رعنائی و توانائی ہے

اس مقدمہ کو ختم کرنے سے پہلے آتش کی بعض کمزوریوں پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے - اعتراضات عموماً یہ ہیں کہ کبھی وہ اعراب کی پرواہ نہیں کرتے کبھی الفاظ کا استعمال صحیح نہیں ہوتا کبھی قافیہ میں غلط لفظ قلم بند کر جاتے ہیں۔ آیئے ایک ایک کرکے ان اعتراضات کو دیکھا جائے۔ اعراب کا استعمال اردو میں کبھی کبھی فارسی و عربی الفاظ کا بدلتا رہا ہے کبھی کبھی معنی بھی بدلتے رہے ہیں ان کی مثالیں اتنی عام ہیں کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں جب آتش پر یہ اعتراض

ہوا کہ 'بیگم' ترکی لفظ ہے اہل زبان گاف پر پیش بولتے ہیں اور زبان فارسی کا قاعدہ بھی یہی چاہتا ہے" آتش نے جواب دیا ہم ترکی نہیں بولتے، ترکی بولینگے تو بیگم کہیں گے یہ جواب بجائے خود آتش کی اجتہادی صلاحیت کا نمونہ ہے وہ لسانی تغیرات سے واقف تھے ان کو معلوم تھا کہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں بعض الفاظ کا بدل جانا کوئی نئی بات نہیں یا کثرت استعمال سے کسی تلفظ کا تبدیل ہونا تعجب خیز نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آتش بھی اس کے قائل تھے کہ جو لفظ عام طور سے جس تلفظ کے ساتھ رائج ہو جائے وہی صحیح ہے گو لغت کے لحاظ سے غلط ہو اس کی مثالیں اردو میں ملتی ہیں مثلاً میر نے مسجد کو ایک شعر میں "مسیت" قلم بند کیا ہے ۔مت ان نمازیوں کو خانہ ساز دیں جانو + کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں مسیت

کون کہہ سکتا ہے کہ میر ایسا آدمی اس لفظ کا صحیح تلفظ نہیں جانتا تھا مگر باوجود اس کے بھی اُنھوں نے اس لفظ کو اسی طرح نظم کیا۔ آج بھی انگریزی فارسی کے سیکڑوں الفاظ جو اُردو کی ملکیت ہو چکے ہیں ہم اس زبان کے تلفظ کے لحاظ سے غلط بولتے ہیں مگر ان کو صحیح مانتے ہیں مثال دینے کی ضرورت نہیں۔ آتش نے بھی یہی سمجھ کر بیگُم، کو بیگم کہا اردو میں ایسے ہی رائج رہا ہوگا اسی لئے انھوں نے کہا کہ ہم ترکی نہیں بولتے دوسرے الفاظ میں مطلب یہ تھا کہ اردو میں یہ لفظ یوں ہی رائج ہے اور ہم بھی یوں ہی صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کے اس طرح رائج ہونے پر دلیل یہ ہے کہ آج تک یہ لفظ "گ" کے ساتھ بولا جاتا ہے اور وہی فصیح سمجھا جاتا ہے۔

آتش کے اس شعر پر ؎

زہر پرہیز ہو گیا مجکو ۔۔۔ درد درماں سے المضاف ہوا

اعتراض ہے کہ المضاف۔ ع کے ساتھ ہونا چاہئے۔ آزاد کا بھی یہی کہنا ہے کہ خواجہ صاحب کو دھوکا ہوا یہ لفظ غلط استعمال کر گئے۔ اس کا بھی جواب وہی ہے کہ "ع" کے ساتھ اس کا تلفظ صرف تکلّف کے ساتھ ادا ہوتا ہے ورنہ بغیر "ع" ہی کے عام طور سے زبان سے نکلتا ہے۔ اس کی مثالیں بھی اردو کے عہدِ قدیم میں کافی ملتی ہیں کہ جو لفظ جس طرح سے بولا جاتا تھا اسی طرح قلمبند کیا جاتا تھا۔ مثلاً۔ تسبیح کو تسبی صحیح کو صحی۔ اسی طرح سے اور بھی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ قدماء نے کسی لحاظ سے اس اصول کو صحیح سمجھا تھا اور اسی پر کاربند تھے۔ بعد کے شعرائے فارسی کی تقلید سے مغلوب ہو کر اس اصول کو ترک کر دیا حالانکہ اردو زبان کا اقتضا یہی تھا کہ جو لفظ جس طرح بولا جائے ویسے ہی لکھا بھی جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ آتش نے عام پسندی اور جمالیاتی حس کو پیش نظر رکھکر ان الفاظ کو اسی طرح سے نظم کیا ہوگا جو ان کی جدت اور لسانی اصول سے واقفیت کی دلیل ہے۔

ایک دوسرا اعتراض یہ ہے کہ۔

بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد   خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

یہاں خوشی کے بجائے خوش ہونا چاہئے مگر یہ بھی سوچنا ہے کہ شعر کی رعنائی صرف اسی طرح دلکش معلوم ہوتی ہے خواجہ آتش کا جمالیاتی احساس اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ وہ مصرعہ کی خوبصورتی کو کسی طرح مجروح نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی انھوں نے خوش خوش کے بجائے "خوشی" استعمال کیا۔ جو ممکن ہے قواعد کے لحاظ سے مناسب نہ ہو مگر فنی لحاظ سے جو حسن پیدا ہو گیا

ہے وہ قواعد کی لغزش کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

یہ باتیں لکھنؤ اسکول کے لوگوں کو اسلئے زیادہ کھٹکتی ہیں کہ انھوں نے دہلی اسکول کے بہت سے اصول ترک کر کے اپنے اصول رائج کئے تھے مگر چونکہ خواجہ آتش کا خاندان دہلی کا تھا اور ان کو دہلی اسکول سے ذہنی التباط تھا اس لئے انھوں نے دہلی اسکول کے طریقے کو یکقلم نہیں ترک کیا مثال کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ بل بے دلی کے شعرا باندھتے تھے۔ لکھنؤ والے اسے متروک سمجھتے تھے۔

آتش نے اسکو اپنے شعر میں جگہ دی کہتے ہیں ؎

خانہ خراب نالوں کی بل بے شرارتیں ۔۔۔ بہتی ہیں پانی ہو ہو کے سنگیں عمارتیں

ایسی اور باتیں بھی پچھلے صفحات میں بتائی گئی ہیں کہ آتش لکھنؤ اسکول کے خلاف دیگر متروکات کو بھی اپنے یہاں نظم کرتے رہے ہیں۔ ان باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت ہر چیز پر حاوی تھی، جہاں کہیں بھی کوئی بات ان کو فنی لحاظ سے پسند آئی انھوں نے قبول کر لی چاہے عہد قدیم کی ہو یا عہد جدید کی وہ شعر کو حسین دیکھنا چاہتے تھے زبان کو قید و بند سے جہاں تک مناسب تھا آزاد رکھنا چاہتے تھے اور اس اصول کے برتنے میں وہ خطائے اجتہادی کو جائز سمجھتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی جرات رندانہ کے لئے بڑے دل و دماغ و شخصیت کی ضرورت ہے اگر یہ غلطیاں ہیں تو ایسی غلطیاں کرنے کے لئے بڑی ہمت درکار ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین

ہمارا شعر ہر اِک عالمِ تصویر رکھتا ہے
مرقع جان کر ذی فہم دیواں مول لیتے ہیں

آتش

دیوان اوّل

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا

ہوئی منظور محتاجی نہ تجھکو اپنے سائل کی
بنایا کاسۂ سر داڑگوں کاسہ گدائی کا

نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں مجھکو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

نکل اے جان تن سے تا وصال یار حاصل ہو
چمن کی سیر ہے انجام بلبل کو رہائی کا

شکستِ خاطرِ احباب ہوتی ہے درست اس سے
توجہ میں تری اے یار اثر ہے مومیائی کا

دل اپنا آئینے سے صاف عشق پاک رکھتا ہے
تماشا دیکھتا ہے حسن اس میں خودنمائی کا

کفِ افسوس ملواتی ہے تیری پاک دامانی
پنہا کر شاہدِ عصمت کو جامہ پارسائی کا

نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجھکو دعویٰ ہے خدائی کا

حسنِ پری اک جلوۂ مستانہ ہے اُس کا
ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اس کا

گل آتے ہیں ہستی میں عدم سے ہمہ تن گوش
بلبل کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اس کا

گریاں ہے اگر شمع تو سر دھنتا ہے شعلہ
معلوم ہوا سوختہ پروانہ ہے اس کا

وہ شوخ نہاں گنج کے مانند ہے اسمیں
معمورۂ عالم جو ہے ویرانہ ہے اس کا

جو چشم کہ حیراں ہوئی آئینہ ہے اس کی — جو سینہ کہ صد چاک ہوا شانہ ہے اس کا

دل قصرِ شہنشہ ہے وہ شوخ اسمیں شہنشاہ — عرصہ یہ دو عالم کا جلوخانہ ہے اس کا

وہ یاد ہے اسکی کہ بھلا دے دو جہاں کو — حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اس کا

یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے — قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اس کا

آوارگیِ نکہتِ گل ہے یہ اشارہ — جامے سے جو باہر ہے وہ دیوانہ ہے اس کا

یہ حال ہوا اس کے فقیروں سے ہویدا — آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اس کا

شکرانۂ ساقیِ ازل کرتا ہے آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اس کا

محبت کا تری بندہ ہر اک کو اے صنم پایا — برابر گردنِ شاہ و گدا دونوں کو خم پایا

برنگ شمع جس نے دل جلایا تیری دوری میں — تو اس نے منزلِ مقصود کو زیر قدم پایا

نشانہ تیر تہمت کا ہے میرا اخترِ طالع — اٹھاؤں داغ میں تو آسماں سمجھے درم پایا

ہزاروں حسرتیں جاوینگی میرے ساتھ دنیا سے — شرار و برق سے بھی عرصۂ ہستی کو کم پایا

سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں — غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا

نظر آیا تماشائے جہاں جب بند کیں آنکھیں — صفائے قلب سے پہلو میں ہم نے جام جم پایا

جلایا اور مارا حسن کی نیرنگ سازی نے — کبھی برقِ غضب اس کو کبھی ابرِ کرم پایا

فراق انجام کام آغاز وصلت کا بلاشک ہے — بہت رویا میں روح و تن کو جب مشتاق ہم پایا

ہر اک جوہر میں اس کا نقش پائے رفتگاں سمجھا — دمِ شمشیر قاتل جادۂ راہِ عدم پایا

ہمارا کعبۂ مقصود تیرا طاقِ ابرو ہے — تری چشم سیہ کو ہم نے آہوئے حرم پایا

ہوا ہر گز نہ خطِ شوق کا ساماں درست آتش — سیاہی ہو گئی نایاب اگر ہم نے قلم پایا

طے کس طرح سے ہوئے رہِ عشق دیکھئے ۔ سنگِ نشاں کا دخل ہے اسمیں نہ میل کا

آوارہ ہوں میں گور کی منزل کے شوق میں ۔ رہزن سلوک مجھ سے کرے گا دلیل کا

لے جائے خطِ شوق کبوتر غریب کیا ۔ واں جس جگہ مقام نہیں جبرئیل کا

محتاجِ خضرِ راہ نہیں تیری راہ میں ۔ کرتا ہے کام شوق ہمارا دلیل کا

شب کو چراغ کی نہیں رہرو کو احتیاج ۔ ہر ذرہ آفتاب ہے تیری سبیل کا

یوسف کی جستجو میں روانہ ہیں قافلے ۔ نالاں جرس ہیں شور ہے کوسِ رحیل کا

عاجز نواز دوسرا تجھ سا کوئی نہیں ۔ رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا

باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا ۔ مشکل کے وقت حامی ہوا تو خلیل کا

موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی ۔ فرعون کو تو نے غرق کیا رودِ نیل کا

سائل ہوں مجھکو قید کم و بیش کی نہیں ۔ مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا

دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہے ۔ دل توڑتا نہیں تو عزیز و ذلیل کا

دی ہے جو تو نے تشنۂ عزت کو آبرو ۔ کوثر کا پانی ایسا ہے نے سلسبیل کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

آئینہ سینۂ صاحب نظراں ہے کہ جو تھا ۔ چہرۂ شاہدِ مقصود عیاں ہے کہ جو تھا

عالم حسنِ خداداد بتاں ہے کہ جو تھا ۔ ناز و انداز بلائے دل و جاں ہے کہ جو تھا

راہ میں تیری شب و روز بسر کرتا ہوں ۔ وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

روز کرتے ہیں شب ہجر کو بیداری میں ۔ اپنی آنکھوں میں سبک خواب گراں ہے کہ جو تھا

دولتِ عشق کا گنجینہ وہی سینہ ہے ۔ داغِ دل زخم جگر مہر و نشاں ہے کہ جو تھا

نازو انداز و ادا سے تمہیں شرم آنے لگی — عارضی حسن کا عالم وہ کہاں ہے کہ جو تھا

اثرِ منزلِ مقصود نہیں دنیا میں — راہ میں قافلۂ ریگِ رواں ہے کہ جو تھا

کعبۂ حدِ نظر قبلہ نما ہے تا حال — کوئے جاناں کی طرف دل نگراں ہے کہ جو تھا

کوہ و صحرا و گلستاں میں پھرا کرتا ہے — متلاشی وہ ترا آبِ رواں ہے کہ جو تھا

رات کٹ جاتی ہے باتیں وہی سنتے سنتے — شمع محفل صنم چرب زباں ہے کہ جو تھا

کون سے دن نئی قبریں نہیں اسمیں بنتیں — یہ خرابہ وہی عبرت کا مکاں ہے کہ جو تھا

دین و دنیا کا طلبگار ہنوز آتش ہے
یہ گدا سائلِ نقدِ دو جہاں ہے کہ جو تھا

اے جنوں دشتِ عدم کے کوچ کا ساماں کیا — جسم کے جامے کو میں نے چاک تا داماں کیا

شام سے تا صبح نیند آئی نہ اک دم تجھ بغیر — آگ نالوں نے لگائی اشک نے طوفاں کیا

اے فلک مرہونِ احساں تو نہ تیرا میں ہوا — شکر ہے مجھ کو خدا نے بے سر و ساماں کیا

آدمی کیا وہ نہ سمجھے جو سخن کی قدر کو — نطق نے حیواں سے مشتِ خاک کو انساں کیا

آتشِ دل خستہ تیرا یا الٰہی کچھ نہ تھا
قطرۂ ناچیز کو دریائے بے پایاں کیا

غبارِ راہ ہو کر چشمِ مردم میں محل پایا — نہالِ خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

برنگِ شمع ہم دل سوختوں نے بزمِ عالم میں — زباں کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا

گھڑی بھر رو کے کوئے یار میں یوں زنگِ دل کھویا — سمر کپڑا جیسے مفلس نے کھرے گھاٹ آ کے کل پایا

غمِ فرقت سے عمرِ رفتہ گذری بیقراری میں — تری امداد سے آرام ہم نے اے اجل پایا

شکستہ دل نہ ہو انساں، عوض ہر شے کا ملتا ہے
موا فرزند اگر تو داغِ دل نعم البدل پایا

رعونت کون سی شے پر ہے ان عزلت گزینوں کو
حصیرِ کہنہ دیکھا دستِ خشک و پائے شل پایا

غضب ہے منزلِ ہستی میں آسائش طلب ہونا
ہجومِ خواب سے رہرو نے ہے آخر خلل پایا

حرارت ہوتی ہے سردار سے افزوں سپاہی میں
زیادہ تر مزاجِ یار سے زلفوں میں بل پایا

ہمیشہ جوشِ گریہ سے رہا پانی میں اے آتش
کبھی تازہ نہ لیکن اپنے دل کا یہ کنول پایا

دل چھوٹ کے جاں سے گور کی منزل میں رہ گیا
کیسا رفیق ساتھ سے مشکل میں رہ گیا

آئے بھی لوگ، بیٹھے بھی، اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل میں رہ گیا

ناقص ہے دوست داری میں کامل نہیں ہے تو
دشمن سے بھی غبار اگر دل میں رہ گیا

سبقت جو زندگی میں سکندر سے کی تو کیا
اے خضر پیچھے مرگ کی منزل میں رہ گیا

پار اترا جو کہ غرق ہوا بحرِ عشق میں
وہ داغ ہے جو دامنِ ساحل میں رہ گیا

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا؟

چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا؟

طبل و علم نہ پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا؟

آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا؟

ہوتا ہے زرد سن کے جو نامرد مدعی
رستم کی داستاں ہے ہمارا فسانہ کیا؟

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

بیمارِ عشق رنج و محن سے نکل گیا
بیچارہ منہ چھپا کے کفن سے نکل گیا

مرغانِ باغ آتشِ گل نے جلا دیے
صیاد ہاتھ مل کے چمن سے نکل گیا

دیکھا جو مجھ غریب کو بولے عدم کے لوگ
مدت سے تھا یہ اپنے وطن سے نکل گیا

عالم جو تھا مطیع ہمارے کلام کا
کیا اسمِ اعظم اپنے دہن سے نکل گیا

جگر کو داغ میں مانندِ لالہ کیا کرتا
لبالب اپنے لہو کا پیالہ کیا کرتا

ملا نہ سرو کو کچھ اپنی راستی میں پھل
کلاہ کج جو نہ کرتا تو لالہ کیا کرتا

جریدہ میں رہِ پُرخونِ عشق سے گذرا
جرس سے قافلہ میں بحثِ نالہ کیا کرتا

بجا کیا اسے توڑا جو سر سے دریا کے
حباب لے کے یہ خالی پیالہ کیا کرتا

نہ کھایا غصہ کبھی خوانچے سے قسمت کے
پھنسے جو حلق میں میں وہ نوالہ کیا کرتا

صفا ہوا نہ ریاضت سے نفسِ امّارہ
کوئی نجاستِ سگ کا ازالہ کیا کرتا

نہ کرتی عقل اگر ہفت آسماں کی سیر
کوئی یہ سات ورق کا رسالہ کیا کرتا

کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

مہِ دو ہفتہ بھی ہوتا تو لطف تھا آتش
اکیلے پی کے شرابِ دو سالہ کیا کرتا

ایک دن فرصت جو میں برگشتہ قسمت مانگتا
دیدۂ تر نوح کے طوفاں کی رخصت مانگتا

تیر باراں بلا سے ہو گئی کشت اپنی سبز
رہ گیا دہقاں دعائے ابرِ رحمت مانگتا

رہ گئی عزت خموشی کے سبب سے شکر ہے
زہر دیتا آسماں مجھکو جو شربت مانگتا

کیا کہوں آتش اثر اپنی زباں کمبخت کا
تنگ ملتی گورِ تیرہ گر فراغت مانگتا

مرد درویش ہوں تکیہ ہے توکل میرا
خرچ ہر نہ دز ہے یاں آمدِ بالائی کا

زندگانی نے مجھے مردہ بنا رکھا ہے
ملک الموت سے سائل ہوں مسیحائی کا

جب سے شیطان کا احوال سُنا ہے میں نے
پائے بت پر بھی ارادہ ہے جبیں سائی کا

خاک میں مل کے بھی میں اس کو نہ دشمن سمجھا
گردشِ چرخ کو اک گردشِ دامن سمجھا

بس کہ تھی اس سے عیاں سینۂ عارف کی صفا
چہرۂ یار کو میں نے دلِ روشن سمجھا

کیا جگہ کوچۂ محبوب ہے سبحان اللہ
کوئی کعبہ، کوئی جنت، کوئی گلشن سمجھا

ہوا ہے عشق ہمکو اس کے حسنِ پاک سے پیدا
کیا ہے نور کے پُتلوں کو جس نے خاک سے پیدا

کلامِ صاف کو اپنے جو دیکھے اسکو حسرت ہو
یہ آئینہ ہوا ہے جوہرِ ادراک سے پیدا

غم اپنے قتل ہونے کا نہیں غم ہے تو یہ غم ہے
نہ ہو گا کشتنی مجھ سا مرے سفاک سے پیدا

غنیمت ہے سمجھے حلقۂ احباب گرد اپنے
یہ دورا پھر نہ ہو گا گردشِ افلاک سے پیدا

صدا یہ صید گاہِ عشق میں آتی ہے برسوں سے
نشانہ تیر کا ہو راہ کر فتراک سے پیدا

پیامِ مرگ سے ہوتی ہے غمگیں روح کس خاطر
ملے گا خاک میں وہ جو ہوا ہے خاک سے پیدا

دعائے آتشِ خستہ یہی ہے روزِ محشر کو
یہ مشتِ خاک ہوئے کربلا کی خاک سے پیدا

کام کرتی رہی وہ چشمِ فسوں ساز اپنا
لب جاں بخش دکھایا کیے اعجاز اپنا

خبرِ اوّل و آخر نہیں مطلق آتش
نہ تو انجام ہے معلوم نہ آغاز اپنا

ناخدا ہے موت، جو دم ہے سو ہے بادِ مراد
عزم ہے کشتیِ تن کو بحرِ ہستی پار کا

سعیِ لاحاصل مداوائے مریضِ عشق ہے
تھامنا ممکن نہیں گرتی ہوئی دیوار کا

خم ندامت سے کیا محراب میں کعبہ کے سر
گردنِ زاہد سے بوجھ اٹھا نہ جب زنار کا

بوئے گل آتش کہیں ہوتی ہے محسوسِ نظر
افترا ہے روزِ محشر یار کے دیدار کا

کچھ نظر آتا نہیں اس کے تصور کے سوا
حسرتِ دیدار نے آنکھوں کو اندھا کردیا

آہ و نالہ سے سوا چرچا خموشی کا ہوا
پاسِ رسوائی نے ہمکو اور رسوا کردیا

تصور ہر نفس ہے پیشِ چشم اس روئے روشن کا
نگہباں برق کو میں نے کیا ہے اپنے خرمن کا

تواضع دشمنِ جاں کی زیادہ قتل کرتی ہے
خمِ شمشیر معشوقوں کا نہوڑانا ہے گردن کا

حبیبِ بے مروت سے ہے عرضِ حال لاحاصل
نہ بخشے نفع ہرگز کوٹنا کچھ سردِ آہن کا

ادب تا چند اے دستِ ہوس قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا

کڑا پن آگے مردانِ خدا کے چل نہیں سکتا
کفِ داؤد میں یکساں ہے عالم موم و آہن کا

ڈراتا ہے کسے اے شیخ تو نارِ جہنم سے
سمندر موج مارے گر نچوڑدوں پاٹ دامن کا

سمجھتے تھے نہ ہم اتنا در اندازاے جنوں تجھ کو
گریباں سے تعلق ہو گیا موقوف دامن کا

مجھے بھی گر کسی نے محکمے میں حشر کے پوچھا
تو سن لینا کہ پردہ کھل گیا قاتل کے دامن کا

آشنا گوش ہے اُس گل کے سخن ہے کسکا
کچھ زباں سے کہے کوئی یہ دہن ہے کسکا؟

دستِ قدرت نے بنایا ہی تجھے اے محبوب
ایسا ڈھالا ہوا سانچے میں بدن ہے کس کا؟

باغِ عالم کا ہر اک گل ہے خدا کی قدرت
باغباں کون ہے اس کا یہ چمن ہے کسکا؟

آج ہی چھوٹے جو چھٹنا یہ خرابہ کل ہو
ہم غریبوں کو ہے کیا غم یہ وطن ہے کسکا؟

درد سر میں ہو کسی کے تو مرے دل میں درد ہو
واسطے میرے ہوا ہے غم عالم پیدا

چپ رہو، دور کرو، منھ نہ مرا کھلواؤ
غافلو زخمِ زباں کا نہیں مرہم پیدا

قلزمِ فکر میں ہر چند لگائے غوطے
دُرِ مضموں کوئی یاروں سے ہوا کم پیدا

دوست ہی دشمن جاں ہو گیا اپنا آتش
نوش دارو نے کیا یاں اثر سم پیدا

توڑ کر تارِ نگہ کا سلسلہ جاتا رہا
خاک ڈال آنکھوں میں میری قافلہ جاتا رہا

کون سے دن ہاتھ میں آیا مرے دامنِ یار
کب زمین و آسماں کا فاصلہ جاتا رہا

خارِ صحرا پر کسی نے تہمتِ دزدی سری
پانوں کا مجنوں کے کیا کیا آبلہ جاتا رہا

دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

جب اٹھایا پاؤں آتش مثلِ آوازِ جرس
کوسوں پیچھے چھوڑ کر میں قافلہ جاتا رہا

حشر کو بھی دیکھنے کا اسکے ارماں رہ گیا
دن ہوا پر آفتاب آنکھوں سے پنہاں رہگیا

بستیاں ہی بستیاں ہیں گنبدِ افلاک میں
سیکڑوں فرسنگ مجنوں سے بیاباں رہگیا

چال ہے مجھ ناتواں کی مرغِ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے یقیں، یاں رہگیا، واں رہگیا

کر کے آرائش جو دیکھی اس صنم نے اپنی شکل
بند آنکھیں ہو گئیں آئینہ حیراں رہگیا

راہِ الفت میں نہیں اندیشۂ پست و بلند
گر کے کب یوسف میانِ چاہِ کنعاں رہگیا

جانِ شیریں ہو فراقِ یار سے کیونکر عزیز
مرگِ صاحب خانہ ہے، فاقہ جو مہماں رہ گیا

کھینچکر تلوار قاتل نے کیا مجھکو نہ قتل
شکر ہے گردن تک آتے آتے احساں رہگیا

کیا بیاں عالم زوالِ حسنِ خوباں کا کروں
روشنی جاتی رہی سر و چراغاں رہگیا

کاروانِ نکہتِ گل کر گیا گلشن سے کوچ
صورتِ نقشِ قدم گلزار حیراں رہ گیا

کوئی عشق میں مجھ سے افزوں نہ نکلا
کبھی سامنے ہو کے مجنوں نہ نکلا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

تیری کاکل میں پھنسا ہے دل جوان و پیر کا
سیکڑوں آزاد ہے پابند اک زنجیر کا

دولتِ دنیا سے مستغنی طبیعت ہو گئی
خاکساری نے اثر پیدا کیا اکسیر کا

جو کہ لکھا، خوب لکھا، دست رس ہوتا اگر
چومتا میں ہاتھ اپنے کاتبِ تقدیر کا

حیف کی جا ہے نہوئے نرم و چرب اسکی زباں
پرورش پایا ہوا یہ آدمی ہے شیر کا

گوشِ گل، رخسار لالہ، چشم نرگس، سرو قد
باغ کا تختہ بھی صفحہ ہے کوئی تصویر کا

سرخ باوصفِ سیہ کاری ہے رنگِ مرا ۔۔۔ سامنا ہوتا ہے کس کے عفو سے تقصیر کا

نرمیِ ظاہر سمجھ لے سخت گیری کی دلیل ۔۔۔ پنبہ بھی بہرِ شررہ ہمسر ہے آتش گیر کا

کیسی کیسی صورتوں کے اپنے دلمیں داغ ہیں ۔۔۔ اس مرقع میں بھی ہے کیا کیا ورق تصویر کا

روک منھ پر وارِ قاتل کا سپر کی طرح سے ۔۔۔ مرد کے چہرے کا زیور زخم ہے شمشیر کا

معرکے میں ہاتھ قاتل کی کمر میں ڈالیے ۔۔۔ کھینچیے دامن ہمیر میدان گریباں گیر کا

نہ کھینچنا تھا زلیخا کو دامنِ یوسف ۔۔۔ اُسی کا پردہ معصمت دریدہ ہونا تھا

دیا نہ ساتھ جو صبر و قرار نے نہ دیا ۔۔۔ روانہ ملکِ عدم کو جریدہ ہونا تھا

نہ جانتا تھا غضب ہے نگہ کا تیر اے دل ۔۔۔ تجھی کو سامنے آفت رسیدہ ہونا تھا

گریزِ یار نے برباد کر دیا ہم کو ۔۔۔ غبارِ راہِ غزالِ رمیدہ ہونا تھا

نہ آئی دامنِ دایہ میں نیند اے آتش
درونِ دامنِ خاک آرمیدہ ہونا تھا

برہنہ آیا تھا یاں عدم سے برہنہ یاں سے چلا عدم کو
نہ بوئے کافور میں نے سونگھی، نہ داغ مجھکو لگا کفن کا

نگاہِ اول میں چشم میگوں یہ رنگِ محفل کرے دگرگوں
وہ حال ہووے جو وقت آخر شرابخواروں کی انجمن کا

خراب مٹی نہ ہو کسی کی کوئی نہ مردود دوستاں ہو
جدا ہوا شاخ سے جو پتا غبارِ خاطر ہوا چمن کا

جو حالِ پروانہ عشق میں ہے وہی محبت میں عالمِ دل
وہ شمع فانوس کا ہے کشتہ، یہ سوختہ نورِ پیرہن کا

جو پختہ صحرا میں قبر دیکھی تو میں نے کندہ کیا یہ اس پر
عبیر غربت حبیب کا ہو، غبارِ خاطر نہ ہو وطن کا

اللہ رے شوق اپنی جبیں کو خبر نہیں
اس بت کے آستانے کا پتھر رگڑ گیا

پہنچا مجاز سے جو حقیقت کی کنہ کو
یہ جان لے کہ راستے میں پھیر پڑ گیا

برسوں کی راہ آ کے عزیزاں نکل گئے
افسوس کارواں سے میں اپنے بچھڑ گیا

یہ انفعال گنہ سے میں آب آب ہوا
کہ میرا کاسۂ سر کاسۂ حباب ہوا

بنایا جادۂ رہ مجھکو خاکساری نے
پھرا جو مجھسے زمانے میں وہ خراب ہوا

دعائے وصل صنم مانگ دل شکستہ نہ ہو
درِ کریم سے آتشؔ کسے جواب ہوا

کم بضاعت سے خیالِ خام ہے کثرت کو فیض
اکتفا کرتا نہیں لشکر کو پانی چاہ کا

پست فطرت سے سوائے رنج کچھ حاصل نہیں
پا بہ گِل کشتی کو کر دیتا ہے پانی تھاہ کا

مائلِ معشوقۂ خسرو نہ ہو اے کوہ کن!
شیر کے جھوٹے کو کھانا کام ہے روباہ کا

شعر کہتا ہوں میں اے آتشؔ خدا کی حمد میں
میری ہر اک بیت پر عالم ہی بیت اللہ کا

بت پرستی ہم اگر تیری طرح کرتے تو پھر
سنگِ رہ کو بھی نہ لاتے اے برہمن زیر پا!

شاہ راہِ ہستیِ موہوم میں وہ چال چل
اپنی آنکھوں کو بچھا دیں دد و دد دشمن زیرِ پا

سرکشی زیبا ہے ہم دیوانگانِ عشق کو
خم ہوئی ہے سیکڑوں کانٹوں کی گردن زیرِ پا

اگرچہ پاسِ محبت سے ترکِ شیون تھا
برنگِ شمع خموشی میں حال روشن تھا

جسے میں نیک سمجھتا تھا مجھسے بدظن تھا
یقین خضر تھا جس پر مجھے وہ رہزن تھا

کہاں کہاں تجھے ڈھونڈھا بدل کے بھیس اے دوست
جو شیخ کعبے میں تو دیر میں برہمن تھا

نہ کھایا میں نے کڑے پن سے زخمِ تیغِ کرم
میں اپنے جوہرِ ذاتی سے غرقِ آہن تھا

تن سے بارِ سرِ آمادۂ سودا اُترا
شکر ہے خنجرِ قاتل کا تقاضا اُترا

حالِ مجنوں تو نہیں نوع دگر دیکھا کچھ
ساربان آج ہے کیوں چہرۂ لیلیٰ اُترا

وصل کے بعد نہ کس طرح سے ہو رنجِ فراق
دردِ سر ہوتا ہے جب نشۂ صہبا اُترا

سیر رکھتا ہے طبیعت کو کلامِ شیریں
من و سلوا ہے یہ اپنے لئے گویا اُترا

شاخِ گل کو بھی نہ آتش نے چھوا تھا اسیر
خوں تری آنکھوں میں اے بلبلِ شیدا اُترا

دلِ شہید رہ داماں نہ ہوا تھا سو ہوا
ٹکڑے ٹکڑے جو گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

میں نے رنگیں نہ کیا اسکا تڑپ کر دامن
سرِ جلاد پہ احساں نہ ہوا تھا سو ہوا

ہر زباں پر مری رسوائی کا افسانہ ہے
نسخۂ شوقِ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

عرق آلودہ جبیں دیکھ کے دل ڈوب گیا
شبنمِ باغ سے طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا

یار کے روئے کتابی کی کروں کیا تعریف
بعد قرآں کے جو قرآں نہ ہوا تھا سو ہوا

پھر وں ہی مصرعِ سودا ہے رلاتا آتش
تجھے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

سمندر چشمِ تر، بادِ مخالف آہ و نالہ ہے
یقین ہے کوئی دم میں کشتیِ تن کی تباہی کا

غنیمت جان اے دل جنبشِ ابروئے قاتل کو
بڑی معراج ہے تلوار سے مرنا سپاہی کا

مسافر کو عدم کے روکنے والا نہیں کوئی
نہ کھینچا خار نے دامن کبھی دنیا سے راہی کا

کون وارفتہ نہیں تیری طرحداری کا
حوصلہ سب کو [illegible] یوسف کی خریداری کا

اس نے دکھلائی مجھے صورتِ ابرِ رحمت
میں تو آتش ہوں غلام اپنی سیہ کاری کا

جامۂ تن ہو گیا راہِ عدم میں نذرِ گور
بوجھ اُٹھایا تھا مگر ٹھگ کیلئے اسباب کا

مسندِ شاہی کی حسرت ہم فقیروں کو نہیں
فرش ہے گھر میں ہمارے چادرِ مہتاب کا

زلف زیبا ہے قریبِ رُخِ جاناں ہونا
گنج کا سانپ کو لازم ہے نگہباں ہونا

نہ رُلا مجھکو تو اے دوریِ کوئے مقصود
راہ میں ظلم مسافر کو ہے باراں ہونا

آفتِ جان ہوئی اس روئے کتابی کی یاد
راس آیا نہ مجھے حافظِ قرآں ہونا

ایک جا مثلِ دُرِ غلطاں کہیں ٹھہرا نہ پاؤں
اخترِ اقبال ہوں میں گردشِ ایام کا

بے کمالِ عشق ہو دل پر نہ نقشِ روئے دوست
سکۂ لگنا غیر ممکن ہے طلائے خام کا

چشمِ گریاں سے گناہِ عشق ثابت ہو گیا
واقعی کرتا ہے تر دامن چھلکنا جام کا

عرش سے آگے ارادہ میری خاکستر کا ہے ۔ دل ہے پروانہ الٰہی کس چراغ بام کا
مرگیا ہوں جستجوئے کعبۂ مقصود میں ۔ ہے کفن پر میرے عالم جامۂ احرام کا

اے تپ غم گور میں لے چل جوانی میں مجھے ۔ دوپہر ہے موسم گرما میں وقت آرام کا
بادشاہی ہے گدائی کوچۂ دلدار کی ۔ زیر پا ہر اک قدم ہے یاں محل آرام کا
گیسوؤں نے کردیا دو چند حسنِ روئے یار ۔ نور ہوتا ہے زیادہ تر چراغِ شام کا

دشتِ پرخار میں تا چند رہوں سرگرداں ۔ بس زیادہ نہ اب اے دوریِ منزل دوڑا
رونقِ بزم تجھے کہتے ترے لینے کو ۔ تا درِ خانہ ہر اک صاحبِ محفل دوڑا
ملک الموت نے پیری میں کرم فرمایا
کشتِ پختہ ہوئی آتش کہ محصّل دوڑا
شرط ہے رتبۂ مردانِ خدا کا انصاف ۔ ڈوبا فرعون وہیں، موسیٰ وہیں پایاب اترا

اے چرخ بے مروت بل بے تنک مزاجی ۔ خوش تیرے گھر میں دو دن اک میہماں نہ ٹھہرا
برباد کر نہ ناحق اے بادِ صرصر اس کو ۔ بلبل کا آشیانہ برگ خزاں نہ ٹھہرا
عزلت گزینی کا جو میں نے کیا ارادہ ۔ کنج لحد سے بہتر کوئی مکاں نہ ٹھہرا
پھونک آشیاں ہمارا اے برقِ آتشِ گل ۔ رہنے کے قابل اپنے یہ بوستاں نہ ٹھہرا

رہے انسان شب بیدار دنیا کے خزانے میں
مسافر کو ہے اس ویران سرا در میاں کھٹکا
خدا حامی ہے اپنے بندۂ عاجز کا مشکل میں
نہ واں کھٹکا ہے کچھ ہم کو نہ کچھ ہم کو یہاں کھٹکا
بغل میں لیکے یوسف کو اکیلا واں سے گذرا میں
قدم رکھتے ہوئے جس راستے میں کارواں کھٹکا

پاؤں شل ہو گئے تھے ٹھوکریں کھاتے کھاتے
ہم غریبوں کو خدا ہی نے وطن دکھلایا

خضر سے راہِ وطن کیا سمجھ کے پوچھوں میں
مجھے تو خود یہ غریب الوطن نظر آیا
کرے گی برق جمال اسکی بند آنکھوں کو
وہ خلوتی اگر اسے انجمن نظر آیا

رنج سے راحت نصیب طبع شیریں کار ہے
بار لاتا ہے قلم ہونے سے نخل انگور کا

حق تلف حقدار کا ہوئے نہ دورِ نیک میں
چاندنی میں رزق ہوتا ہے عسل زنبور کا
غلغلہ حرف انا الحق کا ہے قلقل کی صدا
بادۂ وحدت کا شیشہ سینہ ہے منصور کا
اُڑ کے آتش سے کہاں مضمونِ عالی جا سکے
شاہ تیر انداز کب چوکا نشانہ دور کا
قلبِ ماہیت اربابِ صفا کھوتی ہے قدر
عدمِ آب سے ارزاں ہو بہا گوہر کا
آفتِ جاں ہے فرومایہ کو طاقت ہونا
چوب کو تیر کی ملنا ہے قیامت پر کا

غرورِ عشق زیادہ غرورِ حسن سے ہے
اِدھر تو آنکھ پھری دم اُدھر روانہ ہوا

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

زبانِ یار خموشی نے میری کھلوائی
میں قفل بن کے کلیدِ درِ خزانہ ہوا

خدا دراز کرے عمر چرخِ نیلی کی
یہ بیکسوں کے مزاروں کا شامیانہ ہوا

ہمیشہ شام سے ہمسائے مر رہے آتش
ہمارا نالۂ دل گوشش کو فسانہ ہوا

روزِ اوّل سے دلِ بیتاب میرے ساتھ ہے
صورتِ سیماب میں پیدا ہی بے تسکیں ہوا

خرد نیک انسان عاقل ہو بزرگِ بدنہ ہو
شور دریا سے ہے بہتر چشمہ جب شیریں ہوا

ٹاٹ بھی ملنے کا مرقد میں نہیں کل بہرِ فرش
خوش نہ ہو گر آج بندہ صاحبِ قالیں ہوا

یار کی آنکھ سے تو آنکھ ملائی تو نے
گردشِ چشم بھی اے نرگسِ شہلا دکھلا

پھٹے کپڑے گزی کے اس سے ہم بہتر سمجھتے ہیں
اگر اترا ہوا ہوے تنِ نوّاب کا جوڑا

شبِ فرقت میں کافر ہوں جو میری آنکھ جھپکی ہو
عبث بہتان غش نے آکے مجھ پر خواب کا جوڑا

حسرت میں خواب وصل کے یہ بیخودی رہی | پھر وں ہی مجھکو ہوش نہ آیا جہاں گرا

—×—

یہ ہوا ظاہر انا لیلی مجنوں سے ہمیں | اپنا دیوانہ تھا اپنے واسطے آوارہ تھا

اہل عالم سے ہمیشہ آتش ایذائیں ہوئیں

مردم دنیا نمک تھے میں دل صد پارہ تھا

لے گئی وحشت دل گور غریباں کیطرف | ہم نے یاران گذشتہ کا بھی گھر دیکھ لیا

—×—

دہن یار سے اک شعر کسی دن نہ سنا | ہم نے اس اپنی زبان کا بھی اثر دیکھ لیا

بھر گیا دامن نظارہ گل نرگس سے | آنکھ اٹھا کر جو کبھی تو نے ادھر دیکھ لیا

—

برق خرمن تھا کبھی نالہ دل شاد کا | حوصلہ باقی نہیں ہے آسماں فریاد کا

دوستی نبھتی نظر آتی نہیں محبوب سے | ناز یاں اٹھتا نہیں، واں شغل ہے بیداد کا

—

بار عشق اس نے اٹھایا اور یہ میلی کی آنکھ | حوصلہ تو دیکھ مشت خاک بے بنیاد کا

پھوڑنا سر کو ہوا حجت کمال عشق پر | تیشۂ فولاد سے جوہر کھلا فرہاد کا

—×o×—

بلا سے مجھکو ایذا ہو پر اے جوش جنوں پہنچے | زبان خار صحرا کو نہ صدمہ تشنہ کامی کا

بسر ہو جائیگی کمل کے سایہ میں فقیروں کی | مبارک اہل دولت کو ہو نمگیر تمامی کا

—

جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائیگا — بھیک کا کاسہ اُسے دستِ دعا ہو جائیگا

بحرِ غم سے پار اتارے گی ہمیں کشتی مے — بادباں ابر اور ساقی ناخدا ہو جائیگا

اس قدر نازاں نہ ہواے شیخ اپنے زہد پر — بندگی کرنے سے تو شاید خدا ہو جائیگا

یار نے وعدہ فراموشی جو ہم سے کی تو کی
موت کا وعدہ تو اے آتشؔ وفا ہو جائیگا

وحشتِ دل نے کیا ہے وہ بیاباں پیدا — سیکڑوں کوس نہیں صورتِ انساں پیدا

دل کے آئینے میں کر جوہرِ پنہاں پیدا — در و دیوار سے ہو صورتِ جاناں پیدا

باغ سنسان نہ کر اِن کو پکڑ کر صیاد — بعد مدّت ہوئے ہیں مرغِ خوش الحاں پیدا

خوف نافہمیِ مردم سے مجھے آتا ہے — گاؤ خر ہونے لگے صورتِ انساں پیدا

روح کی طرح سے داخل ہو جو دیوانہ ہے — جسم خاکی سمجھ اس کو جو ہو زنداں پیدا

بے حجابوں کا مگر شہر ہے اقلیم عدم — دیکھتا ہوں جسے ہوتا ہے وہ عریاں پیدا

ایک گل ایسا نہیں ہو نہ خزاں جسکی بہار — کون سے وقت ہوا تھا یہ گلستاں پیدا

موجد اسکی ہے سیہ روزی ہماری آتشؔ
ہم نہ ہوتے تو نہ ہوتی شبِ ہجراں پیدا

جانب کہسار جا نکلا جو میں تو کوہکن — اپنا تیشہ میرے سر سے مار کر جاتا رہا

نے کشش معشوق میں پاتا ہوں نے عاشق میں جذب — کیا بلا آئی محبّت کا اثر جاتا رہا

واہ رے اندھیر بھر روشنیٔ شہر مصر — دیدۂ یعقوب سے نورِ نظر جاتا رہا

اِک نہ اِک مونس کی فرقت کا فلک نے غم دیا — دردِ دل پیدا ہوا دردِ جگر جاتا رہا

فریبِ حسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ، بت سے برہمن بگڑا

نہیں بے وجہ ہنسنا اسقدر زخمِ شہیداں کا
تری تلوار کا منہ کچھ نہ کچھ اے تیغ زن بگڑا

تکلف کیا جو کھوئی جانِ شیریں پھوڑ کر سر کو
جو غیرت تھی تو پھر خسرو سے ہوتا کوہکن بگڑا

تری تقلید سے کبکِ دری نے ٹھوکریں کھائیں
چلا جب جانور انساں کی چال اس کا چلن بگڑا

کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہے میں روتا ہوں
ہنسا گل کی طرح غنچہ جہاں اس کا دہن بگڑا

رگڑوائیں یہ مجھسے ایڑیاں غربت میں وحشت نے
ہوا مسدود رستہ جادۂ راہِ وطن بگڑا

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روزِ محشر تک
نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تارِ کفن بگڑا

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

کیا کہیے کٹی کیونکر اے بت شبِ تنہائی
اللہ غنی گا ہے گہہ نعرۂ یارب تھا

سوزِ غمِ فرقت سے یاں شمع کی حالت تھی
ہر صبح مسافر تھا مہماں میں ہر شب تھا

اس قدِ کشیدہ کی جو شرح کروں کم ہے
اک مصرعۂ موزوں میں سو بیت کا مطلب تھا

الفت نے مجھے مارا ہیبت نے اُسے مارا
میں اور رقیب آتشؔ یک جان و دو قالب تھا

شرابِ لالہ گوں سے ساقیا جامِ صبوحی بھر
شفق اپنی مجھے دکھلا رہا ہے نور کا تڑکا

زوالِ حسن ہے عاشق کنارہ کرتے جاتے ہیں
بہارِ باغ ہوتی ہے خزاں، موسم ہے پت جھڑ کا

بلند و پستِ عالم کا بیاں تحریر کرتا ہے
قلم ہے شاعروں کا یا کوئی رہرو ہے بیہڑ کا

خزاں کے جور سے ایمن بہارِ فکرِ رنگیں ہے
چمن کا اپنے صرصر سے کبھی پتا نہیں کھڑکا

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

جو سطر ہے وہ گیسوئے حورِ بہشت ہے — خال پری ہے نقطہ ہماری کتاب کا
نو آسمان ہیں صفحۂ اول کے نو لغت — کونین اک دو ورقہ ہے اپنی کتاب کا
اے موجِ بے لحاظ سمجھ کر مٹائیو — دریا بھی ہے اسیر طلسم حباب کا
مسجد سے میکدے میں مجھے نشہ لے گیا — موجِ شراب جادہ تھی راہِ صواب کا

حرص و ہوا کو سینہ میں غافل جگہ نہ دے — مطلب کو فوت کرتا ہے کیڑا کتاب کا
کرتے ہیں سجدہ اسکی طرف کیا سمجھ کے لوگ — کعبہ ہے نام ایک کنشتِ خراب کا

دو نعمتیں یہ میری ہیں، میں ہوں فقیرِ مست — اک نانِ خشک ایک پیالہ شراب کا
اندیشۂ گفتگوئے نکیرین کا نہیں — ردکردہ ہے سوال ہمارے جواب کا
چاہے شکستِ جہل تو تحصیلِ علم کر — وابستہ یہ طلسم ہے لوحِ کتاب کا
جو چاہیں لکھ لیں کاتبِ اعمال چار دن — دیکھوں گا روزِ حشر میں کاغذ حساب کا

ان انکھڑیوں میں اگر نشۂ شراب آیا — سلام جھک کے کرونگا جو پھر حجاب آیا
شبِ فراق میں مجھکو سلانے آیا تھا — جگا یا میں نے جو افسانہ گو کو خواب

محبتِ مے و معشوق ترک کر آتش
سفید بال ہوئے موسمِ خضاب آیا

رنج، راحت کا مرے واسطے ساماں ہوگا مشغلِ راہِ عدم داغِ عزیزاں ہوگا
عود کرنے کی نہیں روح نکل کر تن سے پھر نہ آباد یہ گھر ہوگا جو ویراں ہوگا
تیری فریاد کا محتاج میں واماندہ نہیں اے جرس میرے لئے قافلہ نالاں ہوگا

لائی ہے واں قضا و قدر مرغِ روح کو پائی جہاں قفس کا ہے دانہ ہے جال کا

یاد آیا طوفِ کعبہ میں ہندوستاں مجھے کوئے بتاں کا سایہ لباسِ حرم ہوا
دنیا میں نیک سے ہے فزوں بد کا امتیاز کیا کیا گراں نہ شہد سے قیمت میں سم ہوا
شغلِ تصرف آج کس اہلِ نظر کو ہے ہر آئینہ سکندر و ہر جام جم ہوا
ناگفتنی ہے حالِ بہار و خزانِ باغ اک زخم ہے کہ خشک ہوا اور نم ہوا

دنیا کو آتشؔ ایک کے اوپر نہیں قرار
یہ آج، کل وہ صاحبِ طبل و علم ہوا

انساں کو چاہئے کہ نہ ہو ناگوارِ طبع سمجھے سبک اسے جو کسی پر گراں ہوا

فکرِ بلند نے مری ایسا کیا بلند
آتشؔ زمینِ شعر سے پست آسماں ہوا

ہے سزاوارِ اہلِ دولت سے فقیروں کا غرور ہاتھ کو جو کھینچ لیگا پاؤں کو پھیلائے گا
کون چھینے بت کو، توڑے برہمن کے دل کو کون اینٹ کی خاطر کوئی کافر ہی مسجد ڈھائیگا
یہ صدا آتی ہے شورِ بحرِ ہستی سے مجھے گوہرِ مقصود اس دریا سے باہر پائے گا

چار دیوارِ عناصر کی ہے وسعت کس قدر
شش جہت کو تنگ کر دیگا جو دل گھبرائیگا
یہ صدا آتی ہے مجھ دیوانے کی زنجیر سے
امن چاہے تو دیارِ بیخودی میں پائے گا

اے آسماں کفن کے دینے میں دیر کیا ہے
قسمت کے لکھے میں شام و سحر نہ کرتا

ہمرہی روحِ رواں کی تنِ خاکی نے نہ کی
ساتھ یوسف کے زمانے سے یہ زنداں نہ گیا

باغِ عالم کی ہوا آتش نہ راس آئی مجھے
دوست جس گل کا رہا میں وہ مرا دشمن رہا

ظہورِ آدمِ خاکی سے یہ ہم کو یقیں آیا
تماشا انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آیا
مبارک کشتیانِ مے کی بتانِ ہند کو ہو ویں
جہازوں میں فرنگستاں سے آبِ آتشیں آیا
نہ گھبرا چار دن کیواسطے اے روح قالب میں
گیا جب اس مکاں سے پھر نہیں اسکا مکیں آیا
نہ دیکھیں گی کبھی جسکو پھر آنکھیں وہ تماشا ہے
غنیمت جان جو پیشِ نگاہِ واپسیں آیا
مشقت سی مشقت کی ہے راہ عشق میں ہمنے
پسینا پاؤں کا کس روز یاں سر تک نہیں آیا

حسن کس روز ہم سے صاف ہوا
گنہِ عشق کب معاف ہوا
لے لیا شکر کر کے ساقی سے
درد اُس میں ہوا کہ صاف ہوا
وعدہ جھوٹا نہ کر وہ مرد نہیں
قول سے فعل جب خلاف ہوا

رند مشرب ہوں مجھکو کیا ہووے مذہبوں میں جو اختلاف ہوا
وہ دہن ہوں نہ نکلا حرفِ عذر وہ زباں ہوں نہ جس سے لاف ہوا

جامے سے جسم کے بھی میں دیوانہ تنگ ہوں
اب کی بہار میں اسے نذرِ جنوں کیا

فرطِ شوق اُس بت کے کوچہ میں لگائے جائیگا کعبۂ مقصود تک مجھکو خدائے جائیگا
باغباں گلشن کے دروازے کو کیا رکھتا ہے بند کون غنچہ کی کلی گل کی قبائے جائیگا

راہ دے صورتِ موسیٰ ہمیں بحرِ ہستی کشتی و پُل سے نہ ہوئیگا گذارا اپنا
صبحِ محشر بھی نہ ہوں خواب لحد سے بیدار منھ نہ دکھلائے ہمیں عمر دوبارا اپنا
سالہا سال سے تحصیل سخن ہے آتشؔ
اس قلمرو میں ہے مدّت سے اجارا اپنا

وہ نہیں ہوں کہ رُکھائی سے جو ٹل جاؤنگا آج جاتا تھا تو ضد سے تری کل جاؤنگا
شبِ ہجر اپنی سیاہی کسے دکھلاتی ہے کچھ میں لڑکا تو نہیں ہوں کہ دہل جاؤنگا
شعر ڈھلتے ہیں مری فکر سے آج اے آتشؔ
مر کے کل گور کے سانچے میں میں ڈھل جاؤنگا

فرد غصّہ کیا جس نے پچھاڑا دیو کو اس نے اسے رستم کہیں گے ہم جو ایسا پہلواں ہوگا

قدم بھاری ہمارا ہو گا ہم پر باغ عالم میں　　وہ ہی پھٹ پڑیگی جس پر اپنا آشیاں ہو گا

نہیں اسرار سے آتش یہ پتلا خاک کا خالی
یہی وہ گرد ہے جس سے سوار آخر عیاں ہو گا

مرضِ عشق بھی ہے اور یہ آزار جدا　　بے گناہوں سے کھڑے ہو دیں گنہگار جدا

حالِ دل کہنے سے کٹتی ہے زباں شمع کیطرح　　لب سے لب کیجو نہ اس بزم میں زنہار جدا

خانۂ یار کا سن رکھ یہ نشاں اے قاصد　　تیرے سایہ سے کھڑی ہو دیگی دیوار جدا

یہی رونا ہے جو ان خانہ خراب آنکھوں کا　　بام سے در ہے جدا در سے ہے دیوار جدا

× : ×

عدم کو بازگشتِ روح ہے اک روز ہستی سے　　ارادہ بندھ رہا ہے مصر سے یوسف کو کنعاں کا

وہ جانیگا ہماری حالتِ دل جس نے دیکھا ہے　　اشارہ ابروے پیوستہ سے برگشتہ مژگاں کا

نہیں کچھ دفترِ گل ہی میں لکھی سرگذشت اسکی　　شہادت نامۂ بلبل ہے ہر پتا گلستاں کا

کیا ہے خانۂ زنجیر میں جو یاد صحرا کو　　ہوا ہے دور بیں ہر ایک روزن میرے زنداں کا

خدا سر دے تو سودا دے تیری زلفِ پریشاں کا　　جو آنکھیں ہو تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا

جگر خون پان کھا کر کر چکے لعل بدخشاں کا　　ملو مہندی جو پھیرا چاہتے ہو پنجہ مرجاں کا

دلِ صد پارہ کو سودا ہے اک گیسوئے پیچاں کا　　نگہباں افعی مسکیں ہے اس گنجِ شہیداں کا

خیالِ تن پرستی چھوڑ کر فکر حق پرستی کر　　نشاں رہتا نہیں ہے نام رہ جاتا ہے انساں کا

کہاں جاتی ہے یہ ہر چند بھاگے شوقِ منزل سے　　ہمیں آگے ہیں جب پیچھا کیا عمرِ گریزاں کا

رخ و زلف پر جان کھو یا کیا　　اندھیرے اُجالے میں رُو یا کیا

کہوں کیا ہوئی عمر کیونکر بسر
میں جاگا کیا بخت سویا کیا
رہی سبز بے فکر کشت سخن
نہ جوتا کیا میں نہ بویا کیا

اٹھتے ہی تیرے دگرگوں ہو گیا رنگِ نشاط
جامِ خالی میکدے میں سنگِ ماتم خانہ تھا
آج کل ہے سلسلہ مہر و محبت کا نہیں
عالمِ ارواح میں میرے ترے یارانہ تھا
بختِ علمِ عشق کے قابل نہ تھا دونوں میں ایک
کوہکن بے مغز تھا مجنوں جو تھا دیوانہ تھا
حال پر اپنے توجہ کی نظر تھی جن دنوں
آفتابِ ذرّہ پرور جلوۂ جانانہ تھا
واہ رے نیرنگ سازیِ طلسمِ زندگی
محوِ بت آنکھیں تھیں دل اللہ کا دیوانہ تھا

عشق کہتے ہیں اسے نیمچۂ ابرو کا
صورتِ زخم ہو تا دمِ آخر بھو کا
کہتے ہیں سنبلِ فردوس بھی شاعر اس کو
سلسلہ دور پہنچتا ہے ترے گیسو کا
رخِ پر نور کے سودے میں مسلماں ہوئے زرد
خالِ کافر نے ہو خشک کیا ہندو کا
سیرِ گلزار بہت کی نہ لگا دل بے یار
خار اس خو کا نہ دیکھا نہ تو گل اس بو کا

ابدال سے ہوا نہ تو اوتاد سے ہوا
اے جذبِ دل جو کچھ تری امداد سے ہوا
مومن سے بہتر اسکو سمجھتے ہیں اہلِ دل
کافر جو پیرِ عشق کے ارشاد سے ہوا
کس کس طرح کے ناز نہ کیے بسبب ظہورِ عشق
حسن و جمالِ یار کی ایجاد سے ہوا
اے موت روزِ حشر کرے گا نہ پھر نمود
نخلِ حیات قطع نہ بنیاد سے ہوا
آتش جو بے ستوں کو بنایا تو کیا کیا
شیریں کے دل میں گھر تو نہ فرہاد سے ہوا

چلنا پڑے گا ملکِ عدم کو پیادہ پا　　اس راہ میں نہیں ہے گذارا سوار کا

سودا ہوا ہے مرغِ جنوں کے شکار کا　　پھندا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا
پیری میں داغِ عشق نہ کیونکر عزیز ہو　　بے فصل کا ثمر ہے یہ گل بے بہار کا
وعدہ خلاف یار سے کہیو پیام بر　　آنکھوں کو روگ دے گئے ہو انتظار کا
فصلِ بہار آئی کہیں قطع ہو چکے　　دامن سے سلسلہ یہ گریباں کے تار کا
دستِ علی کی ضرب کا جنبش میں ہے اثر　　ان ابروؤں میں معجزہ ہے ذوالفقار کا
پیچھے نہ پاؤں معرکۂ عشق سے ہٹے　　تلوار کھا کے بوسہ لیا دستِ یار کا
اس شمع رو کی بعدِ فنا بھی ہے جستجو　　ہر ذرہ اِک چراغ ہے اپنے غبار کا

گیا وہ ماہ جو صبحِ شبِ وصل اپنے گھر میں سے
آداسی برسی ہے بام و درو دیوار پر کیا کیا
ہوا تجھ سے نہ عشق اے حسن کس کس کو زمانے میں
ستم تو نے کئے ہیں کافر و دیندار پر کیا کیا
رکی واں بھی طبیعت بد گمانی سے محبت کی
چمن میں گل سے کھٹکا ہوں میں قربِ خار پر کیا کیا

گلوں نے کپڑے پھاڑے ہیں قبائے یار پر کیا کیا　　حنا پس پس گئی ہے دست و پائے یار پر کیا کیا

کیے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا

مزا صیاد لوٹیں گے ہمارے شعرِ موزوں کا
نشیمن ہے قفس ہے آشیاں ہے مرغِ مضموں کا

زوالِ حسن میں تو لوٹ لینے دیجئے کیفیت
بہار آخر ہے چلتا دور ہے صہبائے گلگوں کا

تلاش اے نوگلِ خنداں ہے تیری جسقدر مجھکو
نہ ہوگا اسقدر شاعر بھی جویا تازہ مضموں کا

محبت ہوتی ہے معشوق کو بھی عشق کامل سے
زمیں میں ساتھ قاروں کے گڑا ہے گنج قاروں کا

تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا
ذرا سنبل کو لہرایا تو ہوتا

رخِ بے داغ دکھلایا تو ہوتا
گلِ لالہ کو شرمایا تو ہوتا

تری صورت سے ہنسنا تھا نہ لازم
گلوں نے منہ کو بنوایا تو ہوتا

کہے جاتے وہ سنتے یا نہ سنتے
زباں تک حالِ دل آیا تو ہوتا

سمجھتا یا نہ اے آتشؔ سمجھتا
دلِ مضطر کو سمجھایا تو ہوتا

خلعتِ شاہی نہیں اے بوالہوس تشریفِ عشق
جس نے پہنا اس کو یہ جامہ کفن ہو جائیگا

موت کے آنیکی ہو گی اسقدر شادی مجھے
پھٹ کے اترے گا شکنجہ پیراہن ہو جائیگا

دخترِ رز ہو گی حلقے میں ہمارے بے نقاب
خلوتی کو اشتیاقِ انجمن ہو جائے گا

دم فنا اپنی کرے گا کوہکن سر پھوڑ کر
غمزۂ شیریں فریبِ پیرزن ہو جائیگا

وجد ہو گا ہر شجر کو دیکھکر اس کی بہار
لالۂ غربت مرا داغِ وطن ہو جائیگا

منزلِ مقصود دکھلا دیگی توفیقِ ازل
دوست دشمن ہونگے رہبر راہزن ہو جائیگا

—.< * ✻ * >.—

نہ رکھی دولتِ دنیا کی خواہش خاکساری نے
خدا نے کر دیا حاکم مجھے اکسیرِ اعظم کا

فقیری نے دیا ہے رتبہ اعلیٰ بادشاہی سے
دو عالم میں مرا دل ہے جہاں میں جام تھا جم کا

ترے در کی فقیری کو شرف ہے بادشاہی پر
گواہ اس قول کا ہے حال ابراہیم ادھم کا

زبانِ پاک اگر پیدا کرے انساں اے آتشؔ
ہر اک نامِ الٰہی میں اثر ہے اسمِ اعظم کا

مر گئے پر نہ اثر حبِ شفا کا دیکھا
دردمندوں نے ترے منہ نہ دوا کا دیکھا

تیرے پھرتے ہی اداسی سی چمن پر چھائی
رنگ بے رنگ گلستاں کی ہوا کا دیکھا

سامنے آئینہ رکھتے تو غش آ جاتا
تم نے انداز نہیں اپنی ادا کا دیکھا

نازِ معشوق سے غمزے میں زیادہ نکلی
آئی جب راستہ برسوں ہی قضا کا دیکھا

سیر بت خانہ کی جبتک کہ نہ کی تھی ہم نے
کارخانہ ہی نہ تھا شانِ خدا کا دیکھا

کوئے قاتل کا تماشا اسے دکھلا آتشؔ
گرم جس نے نہ ہو بازار فنا کا دیکھا

تشبیہہ نئی دوں ترے گیسوئے رسا کو
اترا ہوا چلہ کہوں ابرو کی کماں کا

فرقت میں تیری صبر نہیں ہونیکا مجھ سے
بوجھ اُٹھے گا سینے سے نہ اس سنگِ گراں کا

تفتیش جو کرتے ہیں مرے حالتِ دل کی
در پردہ پتہ پوچھتے ہیں تیرے مکاں کا

اک آبلہ پک پک کے خموشی سی ہوئی ہے
کیا شعر کہوں قافیہ ہے تنگ زباں کا

پیری میں بھی دل سے نہ مٹے داغِ محبت
گل صبح کو بھی ہو نہ چراغ اپنے مکاں کا

بے مثل ہے یکتا ہے جو تصویر ہے اسکی
کھینچا ہوا کس کا یہ مرقع ہے جہاں کا
دنیا کے خرابے میں نہ گھر جس نے بنایا
جنت میں نہ نکلے گا جواب اسکے مکاں کا
جاں بر ہو کوئی عشق کے آزار سے کیونکر
آخر میں دِق اوّل میں مرض ہے خفقاں کا
بنیادِ فسادوں کی ہے آغاز سے اسکے
انجام قیامت ہے جہانِ گذراں کا
پیری میں جوانی کے کہاں پہچے آتش
اب اپنی غزل خوانی ہے غل برگِ خزاں کا
انتہائے شوق ہے اب صبر کی طاقت کہاں
ابتدائے عشق میں چندے تحمل ہو گیا
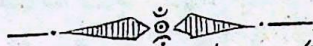
خوابِ غفلت میں نہ کھو ہنگام پیری اسکاں
چونک ہوتی ہے نمازِ صبح اے غافل قضا
دل نہ دونگا پیشتر سے دے چکا ہوں یار کو
جان حاضر ہے جو مجھ سے ہوتی ہے سائل قضا
میں اسے بھولا ہوا ہوں وہ مجھے بھولی نہیں
میں تو غافل ہوں مگر مجھ سے نہیں غافل قضا
بہرِ قبضِ روحِ آتش حور بن کر آئے گی
عشق بازی میں اگر سمجھی مجھیں کامل قضا
گل سے جو سامنا ترے رخسار نے کیا
مژگاں نے وہ کیا کہ جو کچھ خار نے کیا
حسرت ہی بوسہ لبِ شیریں کی رہ گئی
میٹھا نہ منھ کو تیرے نمک خوار نے کیا
سیماب کی طرح سے شگفتہ ہوا مزاج
اکسیر مجھکو میرے خریدار نے کیا
آنکھوں کو بند کر کے تصور میں باغ کے
گلشن قفس کو مرغ گرفتار نے کیا
الٹا اِدھر نقاب تو پڑ دے پڑے اُدھر
آنکھوں کو بند جلوۂ دیدار نے کیا

لذّت کو ترک کر تو ہو دنیا کا رنج دور
پرہیز بھی دوا ہے جو بیمار نے کیا

دیوان حسنِ یار کی آتشؔ جو سیر کی
دیوانہ بیتِ ابروئے خمدار نے کیا

ہشیاری رنج دیتی ہے قیدِ فرنگ کا
دیوانگی نشانہ بناتی ہے سنگ کا

مہماں بہارِ باغ ہے دو چار روز کی
چندے ہے دور دورِ شرابِ فرنگ کا

غیرت کا کوئے عشق و جنوں میں گذر نہیں
ہوتا ہے تنگ حوصلہ یاں عار و ننگ کا

صوفی ہیں دورِ جام ہے جوشِ بہار ہے
خرقے میں اور داغ مے لالہ رنگ کا

وحدت پسند ہے تو زمانے سے کر گریز
یک رنگ آشنا نہیں ہوتا دو رنگ کا

تیار رہتی ہیں صفِ مژگاں کی پلٹنیں
رخسارِ یار ہے کہ جزیرہ فرنگ کا

ساقی نہ قطع سلسلۂ دورِ جام ہو
مطرب نہ تار ٹوٹے اب آوازِ چنگ کا

مِس کیا عجب طلا اگر اکسیر سے ہوا
کم ہے جو کچھ کہ صاحبِ تاثیر سے ہوا

قابو ہیں یار عشق کی تاثیر سے ہوا
کیا حسنِ اتفاق یہ تدبیر سے ہوا

دکھلائی شانِ طالعِ بیدار حسن نے
یوسف عزیز خواب کی تعبیر سے ہوا

شدّاد کو خدا سے نہ کرنی تھی ہمسری
دورِ رخ میں گھر بہشت کی تعمیر سے ہوا

خم خانۂ حدوث میں مستِ قدیم ہوں
طفلی میں مجھ کو نشۂ مے شیر سے ہوا

پھڑکا کیا مرقعِ عالم کے حسن پر
ہر روز عشق اک نئی تصویر سے ہوا

حسن آڑے آگیا مرے بخشا کریم نے
شایانِ عفو عشق کی تقصیر سے ہوا

اے پیرِ عقل پھر نہیں آتشؔ ترا مرید
تقدیر کے خلاف جو تدبیر سے ہوا

بیاباں کو بھی ہنگامِ جنوں میں سیر کر دیکھا
سرِ شوریدہ کو پائے غزالاں پر بھی دھر دیکھا

تجھے موجود پایا یار تجھکو جلوہ گر دیکھا
ترا دیدار جو آنکھوں کو تھا مد نظر دیکھا

سوادِ گیسوے مشکیں میں ظلمت شام کی پائی
بیاضِ گردنِ محبوب میں نورِ سحر دیکھا

مسافر ہی نظر آیا نظر آیا جو دنیا میں
جسے دیکھا اُسے آلودہ گردِ سفر دیکھا

دلِ سوزاں کی حالت سینۂ سوزاں میں یاد آئی
کسی مجمر میں ہم نے عود کو جلتے اگر دیکھا

خریدارِ محبت آئے بھی بازارِ عالم میں
وہی سودا کیا ہم نے کہ جس میں در بدر دیکھا

حلاوت سے نہیں اک ذرّہ موجودات کا خالی
گرہ میں قند کو باندھے ہوئے ہر نے شکر دیکھا

فراقِ یار میں جب عشق نے مجھکو ٹٹولا ہے
جو دل فولاد کا پایا تو پتھر کا جگر دیکھا

صوفیوں کو وجد میں لاتا ہے نغمہ ساز کا
شبہ ہو جاتا ہے پردے سے تری آواز کا

یہ اشارہ ہم سے ہے ان کی نگاہِ ناز کا
دیکھ لو تیر قضا ہوتا ہے اس انداز کا

گفتگو بڑھ جائے گی تقریر عیسیٰ نے جو کی
وہ لبِ جاں بخش بھی دم بھرتے ہیں اعجاز کا

یہ اشارہ کر رہی ہے ابروئے خمدارِ یار
کام منہ چڑھنا ہے اس تلوار کے جانباز کا

کھینچ دیتا ہے شبیہہ شعر کا خاکہ خیال
فکرِ رنگیں کام اس پر کرتی ہے پرداز کا

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

بلائے جان مجھے ہر ایک خوش جمال ہوا
چھری جو تیز ہوئی پہلے میں حلال ہوا

گرو ہوا تو اسے چھوٹنا محال ہوا
دلِ غریب مرا مفلسوں کا حال ہوا

کمی نہیں تری درگاہ میں کسی شے کی
وہی ملا ہے جو محتاج کا سوال ہوا

بلند خاک نشینی نے قدر کی میری — عروج مجھکو ہوا جب کہ پائمال ہوا
دکھا کے چہرۂ روشن وہ کہتے ہیں سرِ شام — وہ آفتاب نہیں ہے جسے زوال ہوا
رہا بہار و خزاں میں یہ حال سودے کا — بڑھا تو زلف ہوا گھٹ گیا تو خال ہوا
گنہ کسی نے کیا تھر تھرایا دل اپنا — عرق عرق ہوئے ہم جس کو انفعال ہوا
کمال کون سا ہے وہ جسے زوال نہیں — ہزار شکر کہ مجھکو نہ کچھ کمال ہوا

وہی ہے لوحِ شکستِ طلسم جسم آتش
جب اعتدالِ عناصر میں اختلال ہوا

وحشت نے ہمیں جبکہ گلستاں سے نکالا — غیرت نے قدم پھر نہ بیاباں سے نکالا
اے حسن محل دونوں کو سمجھا جو ترا ایں — الفت کا مزہ گبر و مسلماں سے نکالا

گوشِ عارف میں یہ گورستاں سے آتی ہے صدا
آسماں ہے وہ زمیں کے جو برابر ہوگیا

سامنا جو پڑ گیا ہوش اڑ گئے، بیخود ہوا
جامِ چشمِ یار بیہوشی کا ساغر ہوگیا

گل سے رنگیں تر ہمارے شعر کا مضموں ہوا — سرو سے سرسبز اپنا مصرعۂ موزوں ہوا
گاہ گریاں گاہ خنداں گاہ نالاں گہ خموش — عشق کے نیرنگ سے حال اپنا گوناگوں ہوا

آگیا مجھکو پسینا جب کوئی ملزم ہوا — خاک میں میں مل گیا جو سر کسی کا خم ہوا

چشمِ وحدت بیں سے سیرِ عالمِ کثرت جو کی — ذرّہ بھی اپنی نظر میں نیّرِ اعظم ہوا

پھر گئے آنکھوں میں مشتاقِ گذشتہ نشہ میں — دورِ جامِ مے میں اکثر ذکرِ خیرِ جم ہوا

شعرِ رنگیں میرے بلبل نے جو اے آتش پڑھے
چہرۂ گل پر پسینا قطرۂ شبنم ہوا

بے ستوں پیچھے بنا کھودا اس کو پہلے کوہکن — دل میں شیریں کے ہوا ہے وہ جو گھر پرویز کا

بات بے مصلحتِ وقت نہیں تو نے کی — عینِ حکمت ہے وہ جو کچھ کہ ہے فرماں تیرا

کون عالم میں ہے ایسا جو نہیں سر بسجود — کس کی گردن کو جھکاتا نہیں احساں تیرا

نیتِ اہلِ توکل ہے کرم نے بھر دی — سیر نعمت سے دو عالم کی ہے مہماں تیرا

کارواں یار کا پہنچا منزلِ مقصود میں — میں بگولے کیطرح سے خاک اڑا کر رہ گیا

شمع ساں اظہار کا یارانہ آتش کو ہوا
سر گذشت اپنی زباں تک اپنی لا کر رہ گیا

شبِ وصل تھی چاندنی کا سماں تھا — بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا

مبارک شبِ قدر سے بھی وہ شب تھی — سحر تک مہ و مشتری کا قراں تھا

نکالے تھے دو چاند اس نے مقابل — وہ شب صبحِ جنّت کا جس پہ گماں تھا

عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل — فرحناک تھی روح، دل شادماں تھا

مشاہد جمالِ پری کی تھیں آنکھیں   مکانِ وصال اک طلسمی مکاں تھا
حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی   کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا
حقیقت دکھاتا تھا عشقِ مجازی   نہاں جسکو سمجھے ہوئے تھے عیاں تھا
بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتشؔ جواں تھا

حسرتِ تازہ تمنائے اجل نے مجھکو دی   جب کہیں دیکھا مہیا میں نے ساماں مرگ کا
دانت ہلتے ہیں ہوئے ہیں موئے سر سارے سفید   گور ہنستی ہے سمجھکر مجھکو شایاں مرگ کا
شام ہوتے ہی شبِ فرقت میں آ نکلے اگر   صبحِ محشر تک رہیگا مجھ پر احساں مرگ کا

قہرِ خدا ترا دہن تنگ ہے صنم   بجلی گرائے گا جو کبھی مسکرا دیا
تل کیا بنایا یار نے روئے صبیح پر   فرعوں کو تختِ عاج کے اوپر بٹھا دیا
احسان مانو حسنِ خدا داد کا بتو   پتھر تھے تم کو شیشے سے نازک بنا دیا
پوچھا ہے عارفوں سے جو ہمنے مکانِ یار   آنکھوں کو بند کر کے ہے دل کا پتا دیا
مغرور ہو نہ حسن جوانی پر آدمی   پیری نے آسماں کی کمر کو جھکا دیا
آتشؔ خرامِ یار بھی ہے دولت کثیر
اکسیر تھا وہ خاک میں جسکو ملا دیا

شوق اگر کوچۂ محبوب کا رہبر ہوتا   گام اول میں قدم کعبہ کے اندر ہوتا
نہیں معلوم انھیں دلجوئی نہیں جو کرتے   کہ ثواب اس کا ہے سو حج کے برابر ہوتا
توڑتا پانوں کو جو تخت کی خواہش کرتے   کاٹتا سر کو اگر مائلِ افسر ہوتا

قابلِ دید ہے کہ ہر چند صفائے وہ رخ
آئینہ تھا جو مروت کا بھی جوہر ہوتا

بحرِ ہستی میں نظر آتے نہ مانند حباب
خالی اک لحظہ ہوا سے جو ترا سر ہوتا

عشق ہو بندگیِ حسن سے کیونکر باہر
دوست اللہ کا کیسا ہی پیمبر ہوتا

باغ بے یار جو ہوتا تو پٹے غارتِ دل
تختۂ لالہ قزلباش کا لشکر ہوتا

باغِ عالم کے تماشے کا یہی حاصل ہے
لالہ تھا داغِ محبت جو میسر ہوتا

سوزشِ عشق میں یہ دل ہی ہے قائم آتش
پانی ہو ہو کے بہا کرتا جو پتھر ہوتا

سربلندوں کیلئے ہے عیب بھی آتش ہنر
آسماں کا داغِ پیشانی ہے مشہور آفتاب

دامنِ دایہ اُسے شاید کہ سمجھا کوہکن
جاتے ہی آیا میانِ دامنِ کہسار خواب

وقت شب ہو، بادہ ہو، تنہا مکانِ یار ہو
کس کو دکھلاتا ہے ایسا طالعِ بیدار خواب

اللہ جانتا ہے اسے خوب کیا کہوں
میرا سوال اس بت بے پیر کا جواب

حسن سے عشق کون کرتا ہے
کسکو ہے درد بے دوا مطلوب

زعم میں اپنے یہ ناہم جو استاد ہیں سب
معترض ہو جئے تو قابلِ ایراد ہیں سب

مکتبِ عشق میں جو ہیں وہ فلاطون حکمت
کوئی شاگرد کسی کا نہیں استاد ہیں سب

روز اوّل سے ہیں سایہ کیطرح سے ہمراہ
رنج و اندوہ و ملال اپنے یہ ہمزاد ہیں سب
قطع ہو جائے اگر سلسلۂ مہر و وفا
پھر گرفتار نہیں ہے کوئی آزاد ہیں سب
جگر و دیدہ و دل کا میں کہوں کیا احوال
نامرادان میں سے ہر ایک ہے ناشاد ہیں سب

اچھا ہوں یا برا ہوں تمہارا ہوں جو کہ ہوں
آگاہ ہیں غلام کے عیب و ہنر سے آپ
ہوش ایسے اڑ گئے ہیں خبر کچھ نہیں رہی
آئے ہیں کس طرف سے گئے ہیں کدھر سے آپ

تا صبح نیند آئی نہ دم بھر تمام رات
تو چکیاں چلیں مرے سر پر تمام رات
غفلت میں ہم نے عہد جوانی کو کھو دیا
اب بیٹھے ہاتھ ملتے ہیں کھو کر تمام رات
کیا انتظارِ یار کی حالت بیاں کروں
رہتی ہے جان آنکھوں کے اندر تمام رات
گویا زبانِ شمع جو ہوتی تو پوچھتا
کٹتی ہے ہجر یار میں کیونکر تمام رات

رشک اسے کہتے ہیں میں نے صاف اسے سمجھا رقیب
صورتِ دیوار اگر دیکھی میانِ کوے دوست
قاصدوں کے پانوں توڑے بدگمانی نے مرے
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشان کوے دوست

چاہِ رہ نقشِ قدم ہے، خارِ رہ قزاق ہے
ہو چکے دشمن ہمارے رہروانِ کوئے دوست

تارِ تارِ پیرہن میں بھر گئی ہے بوئے دوست
مثلِ تصویرِ نہالی میں ہوں یا پہلوئے دوست

چہرۂ رنگیں کوئی دیوانِ رنگیں ہے مگر
حسنِ مطلع ہیں مسیں مطلع ہے صاف ابروئے دوست

ہجر کی شب ہو چکی روزِ قیامت سے دراز
دوش سے نیچے نہیں اترے ابھی گیسوئے دوست

داغِ دل پر خیر گذری تو غنیمت جانیئے
دشمنِ جاں ہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں سوئے دوست

دُو مرینگے زخمِ کاری سے تو حسرت سے ہزار
چار تلواروں میں شل ہو جائیگا بازوئے دوست

فرشِ گل بستر تھا اپنا خاک پر سوتے ہیں اب
خشتِ زیرِ سر نہیں یا تکیہ تھا زانوئے دوست

یاد کر کے اپنی بربادی کو رو دیتے ہیں ہم
جب اڑاتی ہے ہوائے تند خاکِ کوئے دوست

اُس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر نبھے
دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

نظر آتا ہے مجھے اپنا سفر آج کی رات
نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آج کی رات

جلوہ گر ماہ ہے، خورشید لقا دلبر ہے
جمع ہیں گھر میں مرے شمس و قمر آج کی رات

بھولتا ہے کوئی بیتابیِ دل کا عالم
یاد آویگی کل اے دردِ جگر آج کی رات

صبح ہوتی نظر آتی نہیں ہرگز آتش
بڑھ گئی روزِ قیامت سے مگر آج کی رات

حکم سے اپنے جہنم میں جب تو بھیجے پھر وہ کافر ہے جو اسکو رہے پروائے بہشت

عاشقِ ساقیِ کوثر ہوں میں رند اے آتش
مئے کوثر کے لئے ہے مجھے سودائے بہشت

منصور بھی جو ہوں تو انا لحق کہیں نہ ہم
اپنے طریق میں نہیں یہ ما و من درست

رکھتے ہیں آپ پاؤں کہیں پڑتے ہیں کہیں
رفتار کا تمہاری نہیں ہے چلن درست

جو پہنے اسکو جامۂ عریانی ٹھیک ہو
اندام پر ہر اک کے ہے یہ پیرہن درست

کم شاعری بھی نسخۂ اکسیر سے نہیں
مستغنی ہو گیا جسے آیا یہ فن درست

غربت زدوں کے حال کا افسانہ چھیڑتے
ہوتی اگر طبیعتِ اہلِ وطن درست

مشقِ سخن نے بندشِ الفاظ چست کی
سچ ہے یہ بات کرتی ہے ورزش بدن درست

حسن کے نظارہ سے ہوتی ہے کیفیت حصول
عشق رکھتا ہے ہمیں بے بادۂ گلنار مست

کون پوجے بت کو کس سے ہو سکے یادِ خدا
اپنے اپنے حال میں ہیں کافر و دیندار مست

میکدے میں نشہ کی عینک دکھاتی ہے مجھے
آسماں مست و زمیں مست و در و دیوار مست

زاہدوں کی پنجگانہ سے فضیلت ہے اُسے
نشہ کے عالم میں کرتے ہیں جو استغفار مست

خار خار دل کہے کس سے سنے بلبل کی کون
باغباں مست و صبا مست و گل و گلزار مست

خواہانِ جاں ہوا جو دغا دلدار کی طرح دشمن پہ آپ مجھکو ہوا تمامِ دوست

مشتاقِ دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ
مفلس کا کام یاں نہیں دولت کا کھیل ہے دنیا قمار خانہ ہے چلتی ہے زر کی چوٹ
بدتر نہیں ہے غم غمِ فرزند سے کوئی دل کو نصیب ہو نہ الٰہی جگر کی چوٹ
صدمہ فراق کا ہو نہ مشتاقِ وصل کو اسکے عوض لگے اسے تیغ و تبر کی چوٹ

سودائے عشق ہو نہ تمہارے دماغ میں
آتش بٹھا ہی دیتی ہے انساں کو سر کی چوٹ

غافلو منزلِ دنیا ہے سرائے فانی اس خطر گاہ میں تم چھاؤنی چھاتے ہو عبث
مرد تلوار کے آگے سے کوئی ہٹتے ہیں ہمکو ابرو کے اشارے سے ڈراتے ہو عبث

دیوانہ دیکھتا ہوں میں دنیا کا خلق کو آتش پری کا رکھتی ہے یہ بیسوا مزاج

نزع کی حالت ہے کوئی آشنا اپنا نہیں دیکھئے جس کو نظر آتا ہے وہ بیگانہ آج
امتیازِ خوب و زشت اپنے زمانے میں نہیں ایک سا ہے آہوئے مست و سگِ دیوانہ آج
مجھ سے دریا نوش کو ساقی پلاتا ہے شراب دیکھتا ہوں میں بھی ظرفِ شیشہ و پیمانہ آج
چشمِ وحدت بیں میں اپنی نیک و بد دونوں ہیں ایک گرگ و یوسف سے برابر ہے ہمیں یارانہ آج

غرق ہونا پار اتر جانا ہے بحرِ عشق سے لے چلے کشتی کو اپنی جانب گرداب موج

کیا سمجھ کر بحرِ ہستی میں کروں راحت طلب
دیکھتا ہوں روز و شب دریا میں ہے بیخواب موج

حرص دہوا الہٰی نہ دل میں مرے رہے
تیرے مقام خاص سے کر جائیں عام کوچ

بحرِ جہاں میں آبِ رواں سے کھلا یہ حال
استادگی کی جا نہیں یاں ہے دوام کوچ

جب دیکھو رہروی میں ہوں یک رواں کیطرح
میرا مقام وہ ہے کہ جس کا ہے نام کوچ

عہد پیری میں تو کر یادِ الہٰی غافل
رات تو کٹ گئی غفلت میں نہ کھو فرصت صبح

باغِ جہاں میں کیا کہوں کیا حال ہے مرا
سوکھی ہوئی ہو جیسے درختِ کہن کی شاخ

کیفیتِ شراب ہے جوہر شجاع کا
ہوتا ہے چہرہ غازیوں کا وقت جنگ سُرخ

قاتل اپنا جو کرے گنج شہیداں آباد
دہنِ زخم کہیں خانۂ احساں آباد

جس طرف دیکھئے آتا ہے نظر وہ محبوب
جلوۂ یار سے ہے عالمِ امکاں آباد

ساری رونق ہے یہ دیوانوں کے دم کی آتش
طوق و زنجیر سے ہوتا نہیں زنداں آباد

ہو گیا سلسلۂ مہر و محبت برہم
نازنیں بھول گئے ناز و ادا امیر سے بعد

رنگِ رخسارِ گُل و لالہ دگرگوں ہوگا
نہ رہے گی یہ گلستاں کی ہوا امیر سے بعد

روز وصل آئے گا آخر شبِ ہجراں ہوگی
کام رہنے کا نہیں عالمِ اسباب میں بند

ہم الفت دیں ہے اسے ہم لذتِ دنیا
وہ گنج ہے دل جسمیں ہے نقد دو جہاں بند
گردش ہے جو قسمت کی وہ موجود ہے واں بھی
گو شیشۂ ساعت میں رہے ریگِ رواں بند
قسمت مجھے کیوں گنبدِ افلاک میں لائی
آتشؔ خفقانی کو قیامت ہے مکاں بند

کیا کہوں وعدہ خلافی سے تری احوال شب
کھول کر دروازے کو کرتا ہوں سو سو بار بند

حسن جنسِ بے بہا، اہلِ زمانہ تنگ چشم
آج کل کرتا ہے قحطِ مشتری بازار بند

کیا جواں مردوں کو اجلا یہ دنی رکھے گا
اوڑھے آپ تو چادر فلکِ پیر سفید
عقل نے اصل حقیقت سے کیا ہے آگاہ
خوں سمجھتا ہوں میں ہر چند کہ ہو شیر سفید

آتشؔ سخن شناس سے قدرِ سخن سمجھ
سارا ہے اس گہر کا خریدار پر گھمنڈ

شانہ ٹوٹا تارِ گیسوے معنبر توڑ کر
پھل نہیں پاتا کوئی شاخِ صنوبر توڑ کر
پھوڑنا تیشہ سے اپنا سر نہ تھا اے کوہکن
چھیننا شیریں کو تھا پرویز کا سر توڑ کر

پشتِ پاکیوں نہ یہ کونین کے اوپر مارے ‌‌ ‌ ‌ دستِ قدرت سے ہوا پیکرِ انساں تیار
سر بلندی بھی ہے سرگشتگیٔ بخت کیساتھ ‌ ‌ ‌ ‌ خاک اڑے اپنی تو ہو گنبدِ گرداں تیار
زور بھی خاک کے پتلے کو نہیں پچتا ہے ‌ ‌ ‌ ‌ کشتی لڑنے کو ہوئے گبر و مسلماں تیار

مانندِ مرغِ قبلہ نما پیش چشم ہے ‌ ‌ ‌ ‌ وہ کعبۂ مراد ہو ہم سے ہزار دور
اے خضرِ راہِ منزلِ مقصود الغیاث ‌ ‌ ‌ ‌ چھوٹا ہے مجھ غریب کا مجھسے دیار دور
گردن نہ خم ہو شمع صفت، گو جہانیاں ‌ ‌ ‌ ‌ تن پر سے میرے سر کو کریں لاکھ بار دور
مضمون باندھ لاتی ہے فکر اپنی عرش سے ‌ ‌ ‌ ‌ ڈھونڈھا ہے جب تو ہمکو ملا ہے شکار دور
تسکین کے لئے گئے منزل میں گور کے ‌ ‌ ‌ ‌ پہنچے تڑپ تڑپ کے ترے بیقرار دور

پیری میں ترک مے کا ارادہ نہ کیجیو ‌ ‌ ‌ ‌ آتش صبوحی کرتی ہے شب کا خمار دور

قصۂ سلسلۂ زلف نہ کہنا بہتر ‌ ‌ ‌ ‌ پیچ در پیچ ہے خاموش ہی رہنا بہتر
نفسِ امارہ سا رکھتا ہے یہ سرکش دشمن ‌ ‌ ‌ ‌ آدمی کے لئے غافل نہیں رہنا بہتر
ٹیڑھے سیدھے سے غرض رکھتے نہیں اے آتش
جو کہے یار ہمیں سن کے یہ کہنا بہتر

نیک بختوں کو نہ دے رنجِ انقلابِ روزگار ‌ ‌ ‌ ‌ واصلِ خورشید ہو شبنم گلستاں چھوڑ کر
فرقتِ تن سے ہے شاداں روح اپنی جسقدر ‌ ‌ ‌ ‌ خوش نہ ہوگا اسقدر دیوانہ زنداں چھوڑ کر
کارِ مردانہ کیا چاہے تو اے دستِ جنوں ‌ ‌ ‌ ‌ کھینچ دامانِ پری میرا گریباں چھوڑ کر

ہستی فانی ہے آتش چار دن میں نیستی
فکرِ عقبیٰ کا کرے دنیا کو انساں چھوڑ کر

اس زمانے میں سپاہی نہیں بیگاری ہیں — نہ تو تلوار سجی ہے نہ کٹاری تیار

طفلی سے ہوں دوچار نشیب و فرازِ دہر
راحت نہ گود میں تھی نہ آرام دوش پر
چلتے ہیں کیا یہ مار کے مغرور ٹھوکریں
سر پر ہر اک قدم ہے ہر اک گام دوش پر
اے موت آ کہیں، رہوں تا چند منتظر
لادے ہوئے سفر کا سر انجام دوش پر

مری آوازِ پا سن کر فنا ہو جان موذی کی — وہ رہرو ہوں کمر باندھی ہے جس نے خونِ رہزن پر

نہ دیکھا سخت طینت کو کبھی سرسبز دنیا میں — شگوفہ پھولنا ممکن نہیں دیوارِ آہن پر
نہ سمجھا پر نہ سمجھا میرے خطِ شوق کا مطلب — مقدر نے مجھے عاشق کیا کس طفلِ کودن پر

شہرِ بتاں میں حوصلہ فریاد کا نہ کر — یاں رسم درّے پڑنے کی ہے دادخواہ پر

بے بقا ہے ہستیِ شبنم سے بارانِ بہار برق کی چشمک سے کم وقفہ ہے دورانِ بہار

نخلِ ماتم کی طرح ہوں بوستانِ دہر میں
نے سزاوارِ خزاں آتش نہ شایانِ بہار

حسرتِ شاہی ترے در کے فقیروں کو نہیں
تخت ہے ہم کو زمیں، چتر آسماں بالائے سر

مثلِ نسیم ہوں، چمنِ روزگار میں گل سے بناؤ ہے نہ مجھے خار سے بگاڑ
پاتا ہوں میں مزاجِ عناصر میں اختلاف آپس میں ہوگا ایک دن ان چار سے بگاڑ
دلوائے آج گل کے کچھ آتش نہیں ہیں ہم
مدت ہوئی کہ ہے سر و دستار سے بگاڑ

وہی پستی و بلندی ہے زمیں کی آتش وہی گردش میں شب و روز ہیں افلاک ہنوز

فیض نیکوں سے نہ ہو ان کو وہ جو ہیں بدسرشت
کیا کرے باراں زمینِ شور میں اشجار سبز

چار دن جوشِ جوانی کے غنیمت جانیے
خشک ہو کر نخل پھر ہوتا نہیں زنہار سبز

کوچۂ یار میں سایہ کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس
فکر مرغانِ چمن کی ہے بہار آئی ہے
جھونپڑا ڈالا ہے صیاد نے گلزار کے پاس

جلا میں شمع کی مانند عمر بھر خاموش
تمام عمر کٹی قصہ مختصر، خاموش
نہیں قرار زمانے کو ایک حالت پر
جو دو پہر ہوں میں نالاں تو دوپہر خاموش
جنوں میں بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی
رہا میں عالمِ وحشت میں بیشتر خاموش
نہ کعبہ میں نظر آیا نہ بتکدے میں تو
اُٹھا میں بیٹھ کے اکدم اِدھر اُدھر خاموش
بتوں کے دلکو دُکھاؤں میں اپنے دلکی طرح
خدا کے قہر کا رکھتا ہے مجھ کو ڈر خاموش
ہوئی ہے قاتلِ عالم صباحتِ رُخِ یار
چراغ زیست کو بھی کر لی سحر خاموش

حرصِ دنیا حسن غارتگر کو رکھتی ہے خراب
بہر زر کرتے ہیں محبوبانِ سیم اندام رقص
ایکدن لایا تھا جامِ مے ترے ہونٹوں تلک
آج تک کرتا ہے یہ گردِ دنِ مینا فام رقص
میکدے میں چل کے سیر عالمِ نیرنگ کر
قلقل مینا ہے نغمہ اور دورِ جام رقص
دل اسی پہلو میں آتش پیش ازیں بیتاب تھا
یہ وہی جا ہے جہاں ہوتا ہے صبح و شام رقص

کام ہے شیشے سے ہمکو اور ساغر سے غرض
مست رہتے ہیں شرابِ روح پرور سے غرض
عشق صورت سے خیال آیا ہے معنی کیطرف
جب صدف سے مدعا تھا اب ہے گوہر سے غرض
آشنا ہوتے ہیں مفلس کے کہاں یہ لالچی
زر کی خواہش ان حسینوں کو ہے، زیور سے غرض

بے بقا ہے ہستیٔ شبنم سے بارانِ بہار　　برق کی چشمک سے کم وقفہ ہے دورانِ بہار

نخلِ ماتم کی طرح ہوں بوستانِ دہر میں
نے سزاوارِ خزاں آتش نہ شایانِ بہار

حسرت شاہی ترے در کے فقیروں کو نہیں
تخت ہے ہم کو زمیں، چتر آسماں بالائے سر

مثلِ نسیم ہوں، چمنِ روزگار میں　　گل سے بناؤ ہے نہ مجھے خار سے بگاڑ
پاتا ہوں میں مزاجِ عناصر میں اختلاف　　آپس میں ہوگا ایکدن ان چار سے بگاڑ

دلوائے آج کل کے کچھ آتش نہیں ہیں ہم
مدت ہوئی کہ ہے سر و دستار سے بگاڑ

وہی پستی و بلندی ہے زمیں کی آتش　　وہی گردش میں شب و روز ہیں افلاک ہنوز

فیض نیکوں سے نہ ہو ان کو وہ جو ہیں بدسرشت
کیا کرے باراں زمینِ شور میں اشجار سبز

چار دن جوشِ جوانی کے غنیمت جانئے
خشک ہو کر نخل پھر ہوتا نہیں زنہار سبز

کوچۂ یار میں سایہ کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس

فکر مرغانِ چمن کی ہے بہار آئی ہے
جھونپڑا ڈالا ہے صیاد نے گلزار کے پاس

جلا میں شمع کی مانند عمر بھر خاموش
تمام عمر کٹی قصہ مختصر، خاموش

نہیں قرار زمانے کو ایک حالت پر
جو دو پہر ہوں میں نالاں تو دو پہر خاموش

جنوں میں بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی
رہا میں عالم وحشت میں بیشتر خاموش

نہ کعبہ میں نظر آیا نہ بتکدے میں تو
اُٹھا میں بیٹھ کے اکدم اِدھر اُدھر خاموش

بتوں کے دلکو دکھاؤں میں اپنے دلکی طرح
خدا کے قہر کا رکھتا ہے مجھ کو ڈر خاموش

ہوئی ہے قاتلِ عالم صباحتِ رُخِ یار
چراغ زیست کو بھی کر لی سحر خاموش

حرصِ دنیا حسن غارتگر کو رکھتی ہے خراب
بہر زر کرتے ہیں محبوبانِ سیم اندام رقص

ایکدن لایا تھا جامِ مے ترے ہونٹوں تلک
آج تک کرتا ہے یہ گردشِ مینا فام رقص

میکدے میں چل کے سیر عالمِ نیرنگ کر
قلقل مینا ہے نغمہ اور دورِ جام رقص

دل اسی پہلو میں آتش پیش ازیں بیتاب تھا
یہ وہی جا ہے جہاں ہوتا ہے صبح و شام رقص

کام ہے شیشے سے ہمکو اور ساغر سے غرض
مست رہتے ہیں شرابِ روح پرور سے غرض

عشق صورت سے خیال آیا ہے معنی کیطرف
جب صدف سے مدعا تھا اب ہے گوہر سے غرض

آشنا ہوتے ہیں مفلس کے کہاں یہ لالچی
زر کی خواہش ان حسینوں کو ہے، زیور سے غرض

اپنے فعلوں سے تعجب نہ ہووے جو فساد — زن سے مطلب ہے زمیں مدعا، زر سے غرض
شکوہ اسکا بھی زباں زد ہو نہ اے دل چاہیئے — گر اٹھا دی ہے جہانِ سفلہ پرور سے غرض

فرش قالین و نمد کا آشنا ہوتا نہیں
آتشِ درویش کو ہے اپنے بستر سے غرض

نشۂ عشق کا اثر ہے شرط — لبِ خشک اور چشم تر ہے شرط
عشق میں صبر کار مشکل ہے — دل کے خوں کرنے کو جگر ہے شرط

—— • ——

نیش زن کو اپنی دولت سے نہیں ممکن فروغ — کب ہوئی روشن میانِ خانۂ زنبور شمع

—— • ——

خاک ہو جاتی ہے جلکر ہمرہِ پروانہ شمع — ہے تو زن رکھتی ہے لیکن غیرت مردانہ شمع
شام کو آتی ہے وقتِ صبح کر جاتی ہے کوچ — منزلِ ہستی کو سمجھے ہے مسافر خانہ شمع
اور کچھ مطلب نہیں پروانہ کا سمجھے رہے — آشنا کو آشنا بیگانہ کو بیگانہ شمع

—— ~ ——

منزلِ ہستی میں دشمن کو بھی اپنا دوست کر — رات ہو جاوے تو دکھلادے تجھے رہزن چراغ
جا نہیں داغِ محبت کی دلِ بے عشق میں — خانۂ خالی میں دیکھا ہے کہیں روشن چراغ
اے خاکِ آتش اپنا جو منظور ہو فروغ — چڑھ چاک پر کمہار کے تو اور بن چراغ

—— ٥ ——

لایا ہے عشق حسن کا تیرے کشاں کشاں — آتا تھا کون عالمِ ایجاد کیطرف
سمجھے نہ معصیت کوئی اپنا بتوں سے عشق — مدِ نظر ہے حسنِ خداداد کی طرف

—— • ——

رجوع بندہ کی ہے اسطرح خدا کی طرف
پھرے ضمیر خبر جیسے مبتدا کی طرف

خدا نے دردِ محبت عطا کیا ہے جسے
اُسے توجہ خاطر نہیں دوا کی طرف

نہ ہوگا ہمسفرِ روح پیکرِ خاکی
یہ سوئے ارض رواں ہوگا وہ سما کیطرف

نہیں جو روز و شب و ماہ و سال سے واقف
وہی ہے خوب زمانے کے حال سے واقف

وہ کام کرتے ہیں جو دل اشارہ کرتا ہے
شگون سے ہیں نہ تو ہم گوش فال سے واقف

شراب دے مجھے ساقی میں رند مشرب ہوں
فقیہ ہوں گے حرام و حلال سے واقف

حق یہی مذہب ہے باطل ہے جو ہے اس کے خلاف
مردِ مومن ہے وہی لایا ہے جو ایمانِ عشق

ہو مبارک تم کو مصحف کی تلاوت زاہدو
دو جہاں بھولے ہوئے ہیں حافظِ قرآنِ عشق

دو جہان میں آتشؔ اس سے کوئی شے بہتر نہیں
وصف جو کچھ کیجئے اعلیٰ ہے اس سے شانِ عشق

ہوا یہ دیدۂ بیدار سے مجھے روشن
ہمیشہ روز ہے شب زندہ دار کے نزدیک

یہ عاشقی کی وہ منزل ہے راہ میں جسکی
پیادہ پائی ہے بہتر سوار کے نزدیک

عجیب شہر غم آبادِ عشق بھی ہے کوئی — خوشی پھٹکتی نہیں اس دیار کے نزدیک

ہزار پست کیا ہے فلک نے اے آتشؔ
بلند قدر رہیں ہم اعتبار کے نزدیک

روشن ہے جس سے منزلِ دل تو وہ شمع ہے
دم سے ہے تیرے مظہرِ حسن و جمالِ خاک

مستیٔ عشق کیفِ مے لالہ گوں نہیں — اس رنگ پر جما نہیں سکتا خمارِ رنگ
ہر ایک صفحہ ہے مرے دیواں کا اک چمن — مسطر وہ دام ہے کہ ہے جبکا شکار رنگ
نیرنگیِ فنا ہے لگی اس کی فکر میں — ہستیٔ مستعار ہے بے اعتبار رنگ

وہ دل ہے جسمیں تصور ہو خوش جمالوں کا — وہ گھر ہے جسکو کہ رکھے ہجومِ مہماں تنگ
نکل کے خانۂ زنداں سے میں کدھر جاؤں — جنوں کے جوش میں ہے دو جہاں کا میداں تنگ

نہ کیجیو سرِ آتشؔ پر اپنا سایہ ہما
فقیر کے ہے بدن پر قبائے سلطاں تنگ

یار کیا مجھ کو ملا دولت پایندہ ملی — ہاتھ آیا مرے قارون کا خزانہ شبِ وصال

جس قدر سوئے غنیمت میں سمجھتا ہوں اُسے
بختِ خفتہ کو ہے تا صبح جگانا شبِ وصل

—...+ ٥ +...—

ڈھونڈھ لے اور مجرد کوئی زالِ دنیا
میری پاپوش کے قابل نہیں مُردار کی شکل

—————

یاد رکھنے کی جگہ ہے یہ طلسمِ حیرت
صبح کو دیکھتے ہی بھول گئے شام کو ہم

آنکھ وہ فتنۂ دوراں کسے دکھلاتا ہے
شعبدہ جانتے ہیں گردشِ ایام کو ہم

پاؤں پکڑے ہیں زمیں نے یہ ترے کوچہ کی
رہِ صد سالہ سمجھتے ہیں اب اک گام کو ہم

کوچۂ یار میں اپنا جو گذر ہوتا ہے
نگراں رہتے ہیں حسرت سے در و بام کو ہم

—.—*—.—

کیوں محبت بڑھائی تھی تم سے
ہم گنہگار بے گناہ ہو تم

ہے تمہارا خیال پیشِ نظر
جس طرف جائیں سدِ راہ ہو تم

—.o*o.—

ہمت پس از فنا سبب ذکرِ خیر ہے
مردوں کا نام سنتے ہیں ہر داستاں میں ہم

ساقی ہے یارِ ماہ لقا ہے شراب ہے
اب بادشاہِ وقت ہیں اپنے مکاں میں ہم

دنیا و آخرت میں طلبگار ہیں ترے
حاصل تجھے سمجھتے ہیں دونوں جہاں میں ہم

خواہاں کوئی نہیں تو کچھ اس کا عجب نہیں
جنسِ گراں بہا ہیں فلک کی دکاں میں ہم

اللہ ری بیقراریِ دل ہجرِ یار میں
گاہے زمیں میں تھے تو گہے آسماں میں ہم

دروازہ بند رکھتے ہیں مثلِ حبابِ بحر
قفلِ درونِ خانہ ہیں اپنے مکاں میں ہم

آتش سخن کی قدر زمانے سے اُٹھ گئی
مقدور ہو تو قفل لگا دیں دہاں ہیں ہم

—————

کوئے مقصود سے یوں رکھتی ہے غفلت مجھے دور
جیسے سو جانے سے ہو جاتے ہیں بیکار قدم

—————

چال وہ چل کہ ہو جاں سے دلِ عالم کو عزیز
آنکھوں پر رکھے ترے کافر دیندار قدم

—————

کیا ہے کس نے طریقِ سلوک سے آگاہ
مرید کس کا ہے پیرِ مغاں نہیں معلوم
جہان و کارِ جہاں سے ہوں بے خبر میں مست
زمیں کدھر ہے کہاں آسماں نہیں معلوم
سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق
اٹھائے کون یہ بارِ گراں نہیں معلوم
کس آئینے میں نہیں جلوہ گر تری تمثال
تجھے سمجھتے ہیں ہم این و آں نہیں معلوم
طریقِ عشق میں دیوانہ وار پھرتا ہوں
خبر گڑھے کی نہیں ہے کنواں نہیں معلوم

—————

اس قدر آنکھیں مری محوِ تماشا ہو گئیں
پتلیاں پتھرا کے آخر سنگِ موسیٰ ہو گئیں
کنجِ عزلت میں قناعت کی جو نانِ خشک پر
نعمتیں دنیا کی جو کچھ تھیں مہیا ہو گئیں

—————

حیران کار رہتے ہیں آئینے کی طرح
آنکھوں سے پوچھئے کہ پڑی ہے نظر کہاں

آئینہ دیکھنے کا گذر تا نہیں خیال
اپنی خبر نہیں انھیں میری خبر کہاں
قیدِ خودی سے چھوٹ کے جاگی ہے گور میں
آتشؔ ملا ہے گنبدِ گرداں کا در کہاں

تم جو جا نکلے نسیمِ نو بہاری کی طرح
پھول کھل کھل کر گل و لالہ کی کلیاں ہو گئیں
اے مرادِ دل ترے کوچہ میں رکھتے ہی قدم
حسرتیں جو کچھ کہ تھیں گرد پریشاں ہو گئیں
یہ کھلا آتشؔ عناصر سے دل دیوانہ کو
چار دیواریں اکٹھی ہو کے زنداں ہو گئیں

صورتِ ریگ رواں گرمِ سفر ہوں روز و شب
کچھ نہیں معلوم جاتا ہوں کدھر منزل کہاں
بحرِ ہستی سا کوئی دریائے بے پایاں نہیں
آسمانِ نیلگوں سا سبزۂ ساحل کہاں
جنبشِ ابروئے قاتل میں نہ ٹھہرے گا رقیب
چہرۂ نامرد زخمِ تیغ کے قابل کہاں

———•⁂۵⁂•———

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
حواسِ خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں
وہ آب و رنگ کہاں روئے یار کا گل پہ
ہزار آنکھ ہو نرگس کی وہ نگاہ نہیں
صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خوابگاہ نہیں
نہ پاک ہوگا کبھی حسن و عشق کا جھگڑا
وہ قصہ ہے یہ کہ جس کا کوئی گواہ نہیں
فقیر بن کے قدم مار اس میں اے آتشؔ
طریقِ احمدِ مرسل سی شاہراہ نہیں

کافر ہو اے صنم جو خریدے نہ تو اسے — مہندی کے مول خونِ مسلماں ہے ان دنوں
قدِ سرو، چہرہ گل ہے، تو سنبل ہے موئے یار — گھر، خانہ باغ ہے جو وہ مہماں ہے ان دنوں

عہدِ طفلی میں بھی تھا میں بسکہ سودائی مزاج
بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو میں نے بھاریاں

موت کے آتے ہی ہمکو خود بخود نیند آ گئی
کیا اسی کی یاد میں کرتے تھے شب بیداریاں

خندۂ گل سے صدائے نالہ آتی ہے مجھے
خونِ بلبل سے مگر سینچی گئی ہیں کیاریاں

کچھ ہمیں خالی نہیں کرتے ہیں یہ دیرِ خراب
پھر گئے ہیں یار یوں ہی اپنی اپنی باریاں

شرابِ بیخودی ایسی پلا دی ساغرِ گل نے — رہے صیاد سے مرغِ چمن غافل گلستاں میں

پردے یہ غفلتوں کے اگر دل سے دور ہوں — مائل سوے سجود سرِ پُر غرور ہوں
تمیز کیجئے جو سفید و سیاہ میں — ظلمت جو زلفیں ہوں تو وہ رخسارے نور ہوں
پہلے ہی دے چکا ہوں میں انکو جواب صاف — سمجھائیں اب جو یار بڑے بے شعور ہوں
کرتا ہے کیا یہ محتسبِ سنگدل غضب — شیشوں کے ساتھ دل نہ کہیں چور چور ہوں

دل میں ان آئینوں کے سراسر بھرا ہے زنگ
ہر چند پاک صاف یہ تیرے حضور ہوں

ذو قدم غربت سے گر سوے وطن جاتا ہوں میں
پاؤں شل ہو جاتے ہیں دیوار بن جاتا ہوں میں
گور میں خاکی بدن کو چھوڑ کر جاتی ہے روح
جھاڑ کر گوشے میں گردِ پیرہن جاتا ہوں میں
ہستیِ فانی سے قصد روح ہے سوئے عدم
دل کو خوش وقتی ہے غربت سے وطن جاتا ہوں میں
تاب داغ برہمی مانند بوئے گل نہیں
چھوڑ کر آباد آتش انجمن جاتا ہوں میں

پسے دل اس کی چتون پر ہزاروں
موے بے ساختہ بن پر ہزاروں
مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست
مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں
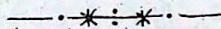
ابر نے ناحق مجھے گلگشت کی تکلیف دی
تیر باراں ہوگیا ہے یار، باراں باغ میں
غیر ممکن ہے اسیری میں شگفتہ خاطری
دل نہ قیدی کا لگے ہو گو کہ زنداں باغ میں
چلتی ہے دستِ جنوں کیطرح سے بادِ بہار
چاک تا دامن ہوا گل کا گریباں باغ میں
جوش نے مستی کے دکھلائی مجھے سیرِ بہار
نشہ کی دھن لے گئی اُفتاں و خیزاں باغ میں

آشنا معنی سے صورت آشنا ہوتا نہیں
آئینہ دل کی طرح سے حق نما ہوتا نہیں

دردمندِ عشق جویائے دوا ہوتا نہیں
تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں

اک قلندر کی پسند آئی مجھے کتنی یہ بات
چارہ ابرو کی صفا سے دل صفا ہوتا نہیں

کون ملتا ہے نہیں ملتا اگر وہ نازنیں
میں بھی اس ناآشنا کا آشنا ہوتا نہیں

———·+·⁂·+·———

گہے بتخانہ پوجا گہہ کیا طوفِ حرم ہم نے
اڑائی تیری خاطر خاک کن کن رہگزاروں میں

ہوائے کوئے قاتل کا کبھی عالم نہیں پایا
چمن کو بارہا دیکھا ہے جا جا کر بہاروں میں

امانت روح کی چھنوا کے عزرائیل سے تو نے
ہمارے نام کو لکھوا دیا بے اعتباروں میں

———o+:+:+o———

ہوا ہے قحط کیوں عالم میں موسیٰ و تجلّی کا
وہی پتھر نظر آتے ہیں اب تک کوہساروں میں

بدن میں جان تازہ آئی ہے سونگھے سے اے آتش
عجب خوشبو ہے اس گل پیرہن کے ہاروں میں

وہ بزم ہے یہ کہ لاخیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفے میں بازیِ غلام نہیں

حریف اپنی تنک مشربوں کا کام نہیں
خمِ فلک سے کم اس میکدے کا جام نہیں

سیاہ قلب کا کوئے صنم میں کام نہیں
بہشت کافرِ بدکیش کا مقام نہیں

چمن سے بلبل و قمری کا عشق حیرت ہے
ثبات گل کو نہیں سرو کو قیام نہیں

وفائے وعدہ کا کسکو یقین یار سے ہے
کلامِ بت ہے کچھ اللہ کا کلام نہیں

رفیقِ حال برے وقت میں نہیں کوئی
شریکِ جنگ میں شمشیر کا نیام نہیں

گدا و شاہ برابر ہے خاک کے نیچے
لحد میں ساتھ یہ قصرِ بلند بام نہیں

بتوں کے قہر و غضب کا کسے ہے اندیشہ — خدا نہیں یہ پیمبر نہیں امام نہیں
بلند و پست سبکدوش کو برابر ہے — نسیمِ بے سر و پا کا کہاں مقام نہیں

بلند ہو نہ زمیں سے مزارِ آتش
نشانِ قبر سے منظور مجکو نام نہیں

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیئے ہیں — پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اٹھا دیئے ہیں
رو دیا ہوں یاد کر کے میں تیری تند خوئی — صرصر نے جب چراغِ روشن بجھا دیئے ہیں
سوزِ دل و جگر کی شدت پھر آجکل ہے — پھر پہلوؤں کے تکیے مشعل بنا دیئے ہیں
شمعوں کو تو نے دل سے پروانوں کے اتارا — آنکھوں سے بلبلوں کی گلشن گرا دیئے ہیں
وہ بادہ کش ہوں میری آوازِ پا کو سن کر — شیشوں نے سر حضورِ ساغر جھکا دیئے ہیں

اشکوں سے خانۂ تن آتش خراب ہوگا
قصرِ سپہر رفعت باراں نے ڈھا دیئے ہیں

خار مطلوب جو ہووے تو گلستاں مانگوں — بجلی گرنے کو جو جی چاہے تو باراں مانگوں
شمع گل ہووے جو صبحِ شبِ ہجراں مانگوں — اوس پڑنی بھی ہو موقوف جو باراں مانگوں
خاک میں بھی جو ملوں میں تو کسی صحرا میں — تم سے مٹی بھی نہ اے گبر و مسلماں مانگوں
پادشاہی سے فقیری کا ہے پایہ بالا — بوریا چھوڑ کے کیا تختِ سلیماں مانگوں
رنج سے عشق کے ہے راحتِ دنیا بدتر — زخمِ خنداں ہوں اگر میں گلِ خنداں مانگوں
ملتی ہو مانگنے سے باغِ جہاں میں جو مراد — گل سے بلبل کے کفن کے لئے داماں مانگوں
تو تو کیا ایسی بلا ہے وہ ٹلے ہو جو پہاڑ — وصل کا روزہ جو میں اے شبِ ہجراں مانگوں

اے محتسب سنبھل کر میخانے میں قدم رکھ　　رستم کی آتی ہے یاں دستار تا بگردن

اپنے خوں کی بوہمیں آتی ہے یاں کی خاک سے　　زندگی میں کوئے قاتل سے سفر کیونکر کریں
آج تک اپنی جگہ دلمیں نہیں اپنے ہوئی　　یار کے دلمیں بھلا پوچھو تو گھر کیونکر کریں
ہر نگہ دار وے بیہوشی کا رکھتی ہے اثر　　جام ان آنکھوں کے دیکھیں بیخبر کیونکر کریں
درد سر کے واسطے صندل نہ رگڑا جائیگا
ہو سکے آتش نہ جو وہ دردِ سر کیوں کر کریں
بلا اپنے لئے دانستہ ناداں مول لیتے ہیں　　عبث جی بیچ کر الفت کو انساں مول لیتے ہیں
میں اس گلشن کا بلبل ہوں بہار آنے نہیں پاتی　　کہ صیاد آن کر میرا گلستاں مول لیتے ہیں
کیا گو نقش پائے مور ہمکو خاکساری نے　　جواب بھی چاہیں تو تختِ سلیماں مول لیتے ہیں
ہمارا شعر ہر اک عالم تصویر رکھتا ہے　　مرقع جان کر ذی فہم دیواں مول لیتے ہیں

چاہتا ہوں جو دفاطینتِ دلبر میں نہیں　　ہے وہ مطلوب مجھے جو کہ مقدر میں نہیں
لے چلی ہے جو قضا مجھسے قدح کش کو بہشت　　ظرفِ گنجائش مے چشمۂ کوثر میں نہیں
غیر خواہاں ہو ترے وصل کا اے یار تو کیا　　حصۂ خضر جو ہے بختِ سکندر میں نہیں
بت پرستی کو نہ آتش کی سمجھ لا حاصل
شیخ اللہ بھی تو کعبے کے پتھر میں نہیں
گردشِ دوراں سے مردانِ خدا بیباک ہیں　　نوح کی کشتی کو اندیشہ نہیں گرداب میں

سامنا اپنا کسی جنگل میں ہوگا موت سے
یاں کفن کے چور کا حصّہ نہیں اسباب میں
آئینے میں عکسِ چشمِ یار کا عالم نہ پوچھ
دیکھ لے آتش کنول پھولے ہوئے تالاب میں

اور مجھ عریاں سے کیا ہاتھ آئے گا قزاق کو
جامۂ خاکی کو لے آسماں خیرات میں

مرے دل کو شوقِ فغاں نہیں مرے لب تک آئی دعا نہیں
وہ دہن ہوں جس میں زباں نہیں وہ جرس ہوں جسمیں صدا نہیں
نہ تجھے دماغِ نگاہ ہے نہ کسی کو تاب جمال ہے
انھیں کس طرح سے دکھاؤں میں وہ جو کہتے ہیں کہ خدا نہیں
کسے نیند آتی ہے اے صنم ترے طاقِ ابرو کی یاد میں
کبھی آشنا کے تہِ بغل سرِ مرغ قبلہ نما نہیں
عجب اس کا کیا نہ سماؤں میں جو خیالِ دشمن و دوست ہے
وہ مقام ہوں کہ گذر نہیں وہ مکاں ہوں کہ پتا نہیں
یہ خلاف ہو گیا آسماں یہ ہوا زمانہ کی پھر گئی
کہیں گل کھلے بھی تو بو نہیں کہیں حسن ہے تو وفا نہیں
مرضِ جدائی یار نے یہ بگاڑ دی ہے ہماری خو
کہ موافق اپنے مزاج کے نظر آتی کوئی دوا نہیں

مرے آگے اس کو فروغ ہو یہ مجال کیا ہے رقیب کی
یہ ہجوم جلوۂ یار ہے کہ چراغ خانہ کو جا نہیں
چلیں گو کہ سیکڑوں آندھیاں جلیں گرچہ لاکھ گھرا ے فلک
بھڑک اُٹھے آتش طور پھر کوئی اس طرح کی دوا نہیں

———...>o<...———

تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں
رہی ہے ایک تصویر خیالی روبرو برسوں
ہوا مہمان آکر رات بھر وہ شمع رو برسوں
رہا روشن مرے گھر کا چراغ آرزو برسوں
چمن میں جا کے بھولے سے میں خستہ دل کراہا تھا
کیا کی گل سے بلبل حیلۂ دردِ گلو برسوں
برابر جان کے رکھا ہے اسکو مرتے مرتے تک
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں
ملی ہے ہمکو بھی خمخانۂ افلاک میں راحت
سرہانے ہاتھ رکھ کر سوئے ہیں زیر سبو برسوں
دیا ہے حکم تب پیرِ مغاں نے سجدہ خم کا
کیا ہے جب شرابِ ناب سے ہمنے وضو برسوں
اگر میں خاک بھی ہونگا تو آتش گردباد آسا
رکھے گی مجھکو سرگشتہ کسی کی جستجو برسوں

ذکر فقیر آگے اس بت کے بھولتا ہے
اب کی گرہ میں دونگا زنار برہمن میں
آیا تھا بلبلوں کی تدبیر میں گلوں نے
ہنس ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن میں
اک تختہ ہفت کشور دہلی کا ہے ہمارے
نو آسماں ہیں اپنے اکبر کے نو رتن میں
دل میں خیالِ حسن محبوب روز و شب ہے
اترا ہوا ہے یوسف مہماں سرائے تن میں
صحرا کو بھی نہ پایا بغض و حسد سے خالی
ساکھو جلا ہے کیا کیا پھولا جو ڈھاک بن میں

〰〰〰〰〰

مضمون آہ کیا مرے دیواں سے دور ہوں
ممکن نہیں کہ سرو گلستاں سے دور ہوں

اے خضر ناگوار ہے پانی کا بھی سلوک
ہم تو کھڑے بھی چشمۂ حیواں سے دور ہوں

دل کی کدورتیں اگر انساں سے دور ہوں
سارے نفاق گبر و مسلماں سے دور ہوں

نزدیک آ چکی ہے سواری بہار کی
برگِ خزاں رسیدہ گلستاں سے دور ہوں

گردش سے چشمِ یار کی آتش عجب نہیں
جو جو عمل کہ گردشِ دوراں سے دور ہوں

معلوم کچھ نہیں کہ چلے جاتے ہیں کہاں
ریگِ رواں سے کم مری عمرِ رواں نہیں

بعد فنا کھلے گی تجھے قدرِ زندگی
کوڑی کے مول بکنے کے یہ استخواں نہیں

کس دشت میں کیا ہے قضا نے مرا گذار
گرد و غبار ہے اثرِ کارواں نہیں

آتش ہی بہرہ مند نہیں فیض سے ترے
اس خوان پر وہ کون ہے جو میہماں نہیں

نہ تو دشمن کوئی میرا نہ کوئی میرا دوست
بارِ خاطر نہ کسی کا نہ غبارِ دامن

پائی جاتی ہے محبت مجھے ان سے آتش
کھینچتے ہیں مرے دامن کو جو خارِ دامن

مکیں ہر معنیِ روشن مکاں ہر بیت موزوں ہے
غزل کہتے نہیں ہم چند گھر آباد کرتے ہیں

قدم رہتا ہے ثابت جس کا اس سختیِ دوراں میں
بہادر ہیں وہی سر قلعۂ فولاد کرتے ہیں

کمر باندھی ہے گلچینوں نے غارت پر گلستاں کے
اجارہ بلبلوں کے خون کا صیاد کرتے ہیں

———o—*—o———

صحرائے تن کی سیر تو مجنوں ذرا کرے
محمل سوار ہے اسی گرد و غبار میں

پھرتا ہوں پھیرتا ہے وہ پردہ نشین جدھر — پتلی کی طرح سے نہیں میں اختیار میں

وہ نگاہیں نہیں اگلی سی تمہاری ہم سے — حال پر اپنے وہ اشفاق وہ الطاف نہیں

صدمے پہنچے ہیں ہمارے بازوؤں پر سیکڑوں — گم ہوئے ہیں اپنے یوسف سے برادر سیکڑوں

یہ سعادت لکھی ہے قسمت میں کس کی دیکھئے — خوں گرفتہ ایک میں ہوں اور خنجر سیکڑوں

وہ رگِ سودا ہوں میں فرقت جنوں کے درمیاں — ٹوٹ کر رہ گئے ہیں جس میں نشتر سیکڑوں

فقر کے کوچے میں قدرِ دولتِ دنیا نہیں — ٹھوکریں کھاتے ہیں یاں پارس سے پتھر سیکڑوں

روندتا ہوں سبزۂ رہ کی طرح وہ بوٹیاں — ڈھونڈھتے پھرتے ہیں جن کو کیمیاگر سیکڑوں

عاشقِ بے صبر کے دلکو نہ کیجے ناپسند — مالِ مفلس مول لیتے ہیں تونگر سیکڑوں

فکرِ سنجیدہ نے دکھلائے ہیں کیا کیا آب و رنگ — اس ترازو میں تلے ہیں لعل و گوہر سیکڑوں

بحرِ ہستی میں ہیں وہ کشتی ہوں جس نے بیشتر — شوق میں گرداب کے توڑے ہیں لنگر سیکڑوں

تیری خوش چشمی کا افسانہ سناتا ہوں میں — خوابِ خرگوش سے آہو کو جگاتا ہوں میں

ہند سے دور جو کعبہ کو سنا ہے میں نے — پھیر کھا کھا کے ترے کوچے کو جاتا ہوں میں

سینہ صافی سے ہے آئینے کو رتبہ حاصل — جیسا ہووے کوئی ویسا نظر آتا ہوں میں

نعمتِ عشق بھی ممکن نہیں بے فضلِ خدا — شکر کرتا ہوں اگر داغ بھی کھاتا ہوں میں

ساقیِ میکدہ نے مجکو یہ خدمت دی ہے — نشہ میں مست جو گرتا ہے اٹھاتا ہوں میں

اختیاری حرکت جان نہ مجبوروں کی ـ لئے جاتی ہے جدھر ہمکو قضا جاتے ہیں

اے صنم انکو کمر تک بھی خدا پہنچا دے ـ دوش تک تو ترے گیسوے رسا جاتے ہیں

صبح نزدیک ہے بیدار ہو مل ہے غافل ـ زہرہ و مشتری و ماہ وسہا جاتے ہیں

رنج یاں جن کو ہے آتش انھیں واں راحت ہے

اے خوشا حال جو دنیا سے خفا جاتے ہیں

تیرا نیازمند جو اے نازنیں نہیں ـ دونوں جہان میں اسکا ٹھکانا کہیں نہیں

سودا زدوں سے اپنے نہیں بیخبر وہ زلف ـ کب بند و بستِ سلسلۂ عنبریں نہیں

عمرِ گذشتہ کا کہیں لگتا نہیں پتا ـ بالائے آسماں نہیں زیرِ زمیں نہیں

دیتے ہو سیدھی بات کا الٹا ہمیں جواب ـ کیا دل پسند ہو سخنِ دلنشیں نہیں

راستی آئی پسند دلکو قدِ یار کی ـ لطف کجی کا ملا ابروے خمدار میں

کافر و دیندار ہیں فہم سے اپنے خلاف ـ رشتہ وہی ایک ہے سبحہ و زنار میں

ہجر کی طاقت نہیں دلکو مرے بعدِ وصل ـ زہر ملا لیجئے شربتِ دیدار میں

—...+(۵)+...—

گیسوؤں کا ترے سودا شعرا رکھتے ہیں ـ یہی باعث ہے جو یہ فکر رسا رکھتے ہیں

تابِ دیدار نہیں رکھتے ہیں یار کھتے ہیں ـ چشم بینا ترے مشتاقِ بقا رکھتے ہیں

ترے خونیں کفنوں کی یہ ادا رکھتے ہیں ـ پھول لالے کے لباسِ شہدا رکھتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ نہیں دوسرا تجھ سا کوئی ـ اے صنم جھوٹ نہ بولیں گے خدا رکھتے ہیں

قلزمِ عشق میں تنکے کا سہارا بھی نہ ڈھونڈھ — آسرا وہ نہیں لیتے جو خدا رکھتے ہیں
بحرِ الفت میں تباہی کا ہے اندیشہ کسے — ناخدا جو نہیں رکھتے وہ خدا رکھتے ہیں
جسمِ خاکی کے تلے جسمِ مثالی بھی ہے — اک قبا اور بھی ہم زیرِ قبا رکھتے ہیں

اپنے ہر شعر میں ہے معنی تہ دار آتش
وہ سمجھتے ہیں جو کچھ فہم و ذکا رکھتے ہیں

خضر و مسیح کاٹتے ہیں رشک سے گلا — تو بھی تو کر شہیدوں کی اپنے زیارتیں
عالم کو لوٹ کھایا ہے اس پیٹ کے لئے — اس غار میں گئیں ہیں ہزاروں ہی غارتیں
باقی رہے گا نام ہمارا نشاں کیساتھ — اپنی بھی چند بیتیں ہیں اپنی عمارتیں
اہلِ جہاں کا حال ہے کیا تمسے کیا کہیں — بدگوئیاں ہیں پیچھے تو منہ پر اشارتیں
عاشق ہیں ہمکو مد نظر کوئے یار ہے — کعبے کے حاجیوں کو مبارک زیارتیں

آتش یہ شش جہت ہے مگر کوچہ یار کا
چاروں طرف سے ہوتی ہیں ہم پر اشارتیں

اس شش جہت میں خوب تری جستجو کریں — کعبہ میں چل کے سجدہ تجھے چارسو کریں
دیدارِ عام کیجئے پردہ اٹھایئے — تا چند بندہ ہائے خدا آرزو کریں
مستی میں تجھسے بے ادبی ہوگی یار سے — مجکو گناہگار نہ جام و سبو کریں
موجود گو کہ تو ہے مگر چاہتا ہے شوق — آوارہ ہوں تلاش تری چارسو کریں

آتش یہ وہ زمیں ہے کہ جسمیں بقول درد
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

آتی ہے کوہِ سوختۂ طور سے صدا نظارۂ جمال غضب ہے جلال میں
ایسی پلا کہ بے خبری ہو وے ساقیا ابتک تو امتیاز ہے درد و زلال میں

مردِ فقیر حق حق کرتے ہیں بوریئے پر شیر اپنے نیستاں میں آتش دکاتے ہیں

یہ کیفیت اسے ملتی ہے ہو جس کے مقدر میں
مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشے میں نہ ساغر میں

رہا کرتا ہے نظمِ شعر کا سودا مرے سر میں
عروس فکر ان روز دن لدی رہتی ہے زیور میں

نکل کر کنجِ عزلت سے نہ کر ہنگامہ افروزی
شرر یاقوت کا ہم سنگ ہے جبتک ہے پتھر میں

جہاں چاہے بسر اوقات کرے چار دن بلبل
چمن میں آشیانہ ہے قفس صیّاد کے گھر میں

نہ جب تک ہم پیالہ ہو کوئی میں مے نہیں پیتا
نہیں مہماں تو فاقہ ہے خلیل اللہ کے گھر میں

وہ ترکِ چشم دیکھیں ملکِ دل غارت کرے کس کا
رہا کرتی ہے صف بندی بہت مژگاں کے لشکر میں

وہی تاثیر دے گا آتشیں نالوں میں بھی اپنے
لیاقت دی ہے جس نے شیشے کے بننے کی پتھر میں

مآلِ کار کی صورت بھی آنکھوں کو نظر آتی ہے
لگا دینا تھا اک آئینہ بھی قبرِ سکندر میں

قناعت دی ہے مثلِ قبر مجکو خاکساری نے
رہوں گا باغ باغ آتش ہیں میں اک پھولوں کی چادر میں

تباہی میں ہے لازم یادِ حق اہلِ توکل کو
خدا پر چھوڑتا ہے ناخدا کشتی کو طوفاں میں

سالک راہ محبت کو پس و پیش نہیں
مصلحت بیں نہیں میں عاقبت اندیش نہیں

شہد کے واسطے زنبور نے کاٹا تو کھلا
نوش چاہے جو زمانے میں تو بے نیش نہیں

قید مذہب کی نہیں حسن پرستوں کیلئے
کافرِ عشق ہوں میں کوئی مرا کیش نہیں

آستانِ دیر تک جاوے تو اے کعبہ نشیں
پردہ بابِ صنم خانہ ترا سجادہ ہو

عشق ہونے میں نہیں ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز
خوبصورت ہو گدا زادہ ہو یا شہزادہ ہو

سبز پیراہن میں رنگِ سرخ یوں ہے یار کا
جیسے مینائے زمرد گوں میں گلگوں بادہ ہو

خشت رکھ کر زیر سر سونا ہے خاکِ گور پر
صاحبِ مسند ہو تو یا صاحبِ سجادہ ہو

خار پیدا ہوں نہ جس جا گل شگفتہ ہوں وہیں
آسماں اسکو بنا دوں جو زمیں افتادہ ہو

روسیہ دشمن عبث کرتا ہے میری پیروی
بندۂ زنگی بناوٹ سے نہ صاحبزادہ ہو

بہ رنگِ آئینہ یاں رہ نہیں عشقِ مجازی کو — صفائے قلب بے حاصل کیا ہے پاکبازی کو
فزوں کعبہ سے بھی سجدہ طلب محرابِ ابرو ہے — جھکانی پڑتی ہے گردن نمازی بے نمازی کو
کفن خلعت ہے، میں دولہ، جنازہ تختِ داماد ی — برائی نوحہ گر ہمراہ ہیں شہنا نوازی کو

—.o.o.—*—o.—o.—

زلف کو دیکھے اگر دیکھا نہ ہو ابرِ سیہ — برق دیکھی ہو نہ جس نے دیکھے اس رخسار کو

—***—

پست فطرت کو ہمیشہ سربلندوں سے ہے لاگ — زلزلہ ڈھاتا ہے دیوار و در و محراب کو
امن میں رکھتی ہے جورِ چرخ سے وارفتگی — منزلِ رہزن میں اندیشہ نہیں سیلاب کو
کیا نفاق انگیز ہمجنساں ہوائے دہر ہے — نیند اڑ جاتی ہے سینے سے نفیرِ خواب کو

روز و شب رو یا میں آتش رفتگاں کی یاد میں
عمر بھر آنکھیں نہ بھولیں صورتِ احباب کو

بچھ گیا ہے اس قدر رنگِ زمانہ چاہیے — آئینے میں بھی نہ صورت آشنا معلوم ہو
آنکھ پاتے ہی خیالِ یار نے کی دل میں راہ — دل ہی رہتا ہے مکاں جس کا پتا معلوم ہو

—...o...—

پیدِ مجنوں دور سے خم ہو گیا تسلیم کو — ہر بگولہ سرو قد اٹھا مری تعظیم کو
مہرباں ہو دوست کچھ دشمن کا چل سکتا نہیں — آتشِ نمرود ہے گلزار ابراہیم کو
خواب و بیداری یہ مرگ و زیست ہے اے بیخبر — لوحِ دل پر سے مٹا نقش امید و بیم کو

ہمت مردانہ نے آتش کیا ہے بے نیاز
جانتا ہوں میں گدا، سلطانِ ہفت اقلیم کو

—— ٥ ——

جو نہ دیکھا تھا ان آنکھوں نے دکھایا مجکو
نہ سنا تھا سو وہ کانوں نے سنایا مجکو

—— ٥ ——

ہوں وہ مردودِ خلائق کہ یقیں ہے پسِ مرگ
سہو ہو فاتحہ خیر مرے یاروں کو
اے بتو، دل میں تمھارے جو اثر ہو تو نہ ہو
زلزلے آئے ہیں ان نالوں سے کہساروں کو
جا کے اس باغ سے کیا یاد کرینگے آتش
چشم تر ہمکو ملی، خشک زباں خاروں کو

متصل نالوں کی آواز چلی آتی ہے
جسم خاکی قفسِ مرغ گرفتار نہ ہو
کر دیا ہے یہ حوادث نے دلِ عالم سرد
آتشِ حسن سے بھی گرمیِ بازار نہ ہو
نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا
دل دھڑکتا ہے جدائی کی شبِ تار نہ ہو
گور میں ساتھ لئے جائینگے اپنے ہم اسے
نہیں ہوتا جو کوئی دل کا خریدار نہ ہو
ترک الفت کا ارادہ نہ کر آتش زنہار
دل سے بیزار تو ہے جان سے بیزار نہ ہو

سرو بستاں تجھسے گو اے بادِ صرصر خشک ہو
غیر ممکن ہے ہمارا مصرعۂ تر خشک ہو
بھیک سے بدتر دعا بھی مانگنا انساں کو ہے
ہاتھ آئے بے طلب نانِ جویں گر خشک ہو
چار دن میں اسنے سارا باغ ویراں کر دیا
یا الٰہی دستِ گلچینِ ستمگر خشک ہو

—— ٥ ——

ترے سوا کوئی ترکیب دل پسند نہ ہو
جو برقِ طور بھی چمکے تو آنکھ بند نہ ہو
جو رو سے حال پہ اپنے وہ کیا کسی پہ ہنسے
وہ دل دکھائے کسی کا جو درد مند نہ ہو
زباں وہ گنگ ہو جس سے نہ آفریں نکلے
وہ گوش کر ہو جو آتش سخن پسند نہ ہو

روپ دکھلا کوئی تو ہمکو نیا اے آسماں
یاد کیا آنکھیں کرینگی اس تماشہ گاہ کو
فکرِ رنگیں نے تمہیں مفلس کیا تو کیا عجب
یہ عروس آتش گدا کر دیتی ہے نوشاہ کو

دیر و حرم میں شیخ و برہمن رہیں خراب
ملتا ہے وہ کہاں کہیں جسکا مکاں نہو
نالوں کی بحث کا کسے آتش دماغ ہے
یا ہم نہو دیں یا جرسِ کارواں نہ ہو

حلقۂ دام ہیں وہ نرگسِ فتاں مجکو
چار دیوار قفس ہیں صفِ مژگاں مجکو
دور کر چہرۂ روشن سے نقاب اے محبوب
داغ دیتا ہے چراغِ تہِ داماں مجکو
دیکھ لوں پھاڑ کے آئینے میں اے دستِ جنوں
رہنے دو زیب جو دے چاک گریباں مجکو
موسم گل نہیں آتا ہے اجل آتی ہے
گور سے تنگ ہوا جاتا ہے زنداں مجکو

صاف ہو ہر چند بار باطن عزیز دل نہ ہو
کج نما آئینہ ہرگز دید کے قابل نہ ہو

حرمتِ کعبہ طریق صاحب اسلام ہے
چاہیے رنجیدہ کافر کا بھی تجھسے دل نہ ہو

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو

مشتاق جو ہوتا ہوں کعبے کی زیارت کا
آنکھیں بھری جاتی ہیں طوفِ حرمِ دل کو

بے طرح پھنسا ہے تو اس زلف کے پھندے میں
اللہ کرے آساں اے دل تری مشکل کو

جو چاہے سو مانگ آتش درگاہ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

کھائے گا خنجر جلاد کا جگر کا پہلو
زخم پہلو کو مبارک ہو جگر کا پہلو

ہدف تیر نگہ ہیں جگر و دل دونوں
دیکھیے ہووے کب آباد کدھر کا پہلو

دور سے کوچۂ دلبر کو کھڑا تکتا ہوں
نہ تو دیوار کا تکیہ نہ تو در کا پہلو

کوئی صورت نہیں کمبخت کی آبادی کی
روز ویرانہ ہے مجھ خاک بسر کا پہلو

خلل انداز کا کیا ڈر جو موافق ہو مزاج
کہیں ہوتا ہے جدا سکہ سے زر کا پہلو

خاکساری نے فضیلت مجھے دی ہے آتش
شملۂ شیخ دیا ہے دم خر کا پہلو

خزاں نے بستر کار گل و بلبل کیا آخر
جزائے خیر دے اللہ صبا دادرِ گلچیں کو

ہزار افسوس ہے اے بے مروت تو نہیں آتا
غش آجاتا ہے اکثر ترے بیتاب و نکی تسکیں کو

تماشہ دیکھتا ہوں گھر میں بیٹھے ہفت کشور کا
بنایا ہے مرا دل توڑ کر جام جہاں بیں کو

تکلف سے بری ہے مزاج عاشقِ شیدا
نہ دیکھا قمریوں کی گردنوں میں طوقِ زریں کو

بشر کو بعد نعمت کے ہے ہوتی قدر نعمت کی
غنیمت جانتا ہے لنگ اپنے پائے چوبیں کو

ہمارے یار کی رہتی ہے جنگ زرگری آتش
نہیں کچھ دخل اس قصے میں عقلِ مصلحت بیں کو

تمنا دولت دنیا کی اے آتش نہیں رہتی
قناعت سے غنی اللہ کر دیتا ہے مسکیں کو

آخر کار تہ خاک ہے مسکن سب کا
اہل دولت کو بلند آج مکان کرنے دو
انتظار ملک الموت میں بیدار ہوں میں
بخت خفتہ کو مرے خواب گراں کرنے دو
اہل اسلام ہوں غیبت نہیں شیوا امرا
میرے دشمن کو مرے عیب عیاں کرنے دو

وہ کم نصیب ہوں کہ میسّر کبھی جسے
معشوق نوجواں و شراب کہن نہ ہو
ہستی میں یاد آئے نہ کیوں کر عدم مجھے
وہ آدمی نہیں جسے حب الوطن نہ ہو
کس گھر میں روشنی نہیں اندھیر ہے دلا
روشن چراغ عشق سے قصر بدن نہ ہو
کہکر ہر اک عضو سے یہ روح چل بسی
اس طرح بے چراغ کوئی انجمن نہ ہو
رنگینی سخن رہے گی روز حشر تک
اڑ جائے چار دن میں یہ رنگ چمن نہ ہو

دوست رکھتے ہیں جوانمرد اہل جوہر یار کو
تول کر زر سے سپاہی لیتے ہیں تلوار کو

پر وہ دل سے نکلنا نالے کا یاد آگیا
خوب رویا سن کے میں آواز موسیقار کو

خون جگر ہوتا ہے یہ گفتار کیسی جان جاں
پیستے ہو دل کو کیا کہتے ہیں اس رفتار کو؟

پھر گیا آنکھوں میں آتش گور تیرہ کا گڑھا ؛ خاک اڑائی میں نے جب سوچا مآل کار کو

—— ۰ ـــــــ ۰ ——

جو نعمت عشق کی چاہے تو راحت جان ایذا کو
عصا پیچھے دیا پہلے جلایا دست موسیٰ کو

وہ منصف ہوں اگر میں نے کیا ختم کلام اللہ
ثواب سورۂ یوسف دیا روحِ زلیخا کو

خدا جانے کہ ہوگا حال کیا ہم بادہ نوشوں کا
لڑا کر جام سے توڑا ہے بدمستی میں مینا کو

شب و روز اس کو رقص شادمانی میں میں پاتا ہوں
حصار عافیت گرداب نے سمجھا ہے دریا کو

تراشا تجکو جس بت ساز نے اے بت قیامت کی
بنایا شیشہ سے نازک مزاج سنگ خارا کو

قریبوں سے نہ رکھ امداد کی امید مشکل میں
نکالا ناخن پا نے کہاں خار کف پا کو

—— ۰ ـــــــ ۰ ——

یارب آغاز محبت کا بخیر انجام ہو ؛ شیشہ میں اترے پری پختہ جنونِ خام ہو
ابر دریا بار آ پہونچا قریب میکدہ ؛ ناخدائے کشتی مے ساقی گلفام ہو
حسن کا شہرہ ہو ہمکو خاک میں ملوائے عشق ؛ کار مردانہ کرے کوئی کسی کا نام ہو
چال وہ چلتے ہو دل پستے ہیں جس پہ ہر قدم ؛ کام وہ کرتے ہو تم جسمیں کسی کا کام ہو

راز ہے سن لو اسے تم سے کہے رکھتے ہیں ہم
انجمن میں بات خلوت کی نہ آتش عام ہو

کھل جائے پردہ آپ کے حسن و جمال کا
عاشق نگاہ بد سے جو دیکھیں نقاب کو
قاصد کے ہاتھ آنے سے رشک آئیگا مجھے
لکھا ہے میں نے خط میں نہ لکھنا جواب کو
پی کر شراب نشہ سے اس نوجواں نے
شمشیر آبدار کیا ہے شباب کو
آتش جو شوق کعبہ ہے دل سے کرو رجوع
دیکھو اس آستانہ عالی جناب کو

خوش جمالوں سے زمانہ نہیں رہتا خالی
مہر پنہاں ہو نظر سے تو قمر پیدا ہو
شعر گوئی میں مری طبع کو دقت ہے پسند
خشک دو لب ہوں تو اک مصرع تر پیدا ہو

* * *

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

مشق رفتار کرو گرم روی کی نہ سہی
کون سی چال ہے یہ آگ لگاتے نہ چلو

مست شراب عشق کب آتے ہیں ہوش میں
یہ نشہ وہ نہیں ہے کہ جس کو خمار ہو

نہیں تیرے کرم کو قید کچھ اعلیٰ و ادنیٰ کی
سکندر تشنہ رہ جائے پیئے خضر آب حیواں کو

فقیری سلطنت ہے خاکسار کوئے جاناں کو
مبارک جام ہو جمشید کو خاتم سلیماں کو

دو روزہ نوجوانی ہے، دو روزہ تاجداری ہے
مروت حسن کو اللہ دے انصاف سلطاں کو

نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے پاس سے جاؤ تو پھر کر دیکھتے جاؤ

نسیم نوبہاری کی طرح آئے ہو گلشن میں
تماشائے گل سرو و صنوبر دیکھتے جاؤ

جدھر جاتے ہو ہر گھر میں سے یہ آواز آتی ہے
مسیحا ہو تو بیماروں کو دم بھر دیکھتے جاؤ

قدم انداز سے باہر ہوئے جاتے ہیں صاحب کے
ستم رفتار میں کرتی ہے ٹھوکر دیکھتے جاؤ

روش مستانہ چلتے ہو، قدم مستانہ پڑتے ہیں
خدا کے واسطے بہر پیمبر دیکھتے جاؤ

نقاب اک دن الٹ کر تم نے یہ منہ سے نہ فرمایا
جمال آفتاب ذرہ پرور دیکھتے جاؤ

نہ پھیر اس سے منہ آتش جو کچھ در پیش آ جائے
دکھاتا ہے جو آنکھوں کو مقدر دیکھتے جاؤ

ہے نرالی کشش عشق جفا کار کی راہ
چاہ کنعاں میں ملی مصر کے بازار کی راہ

رہنما یا دالہی کا ہوا عشق صنم
پہونچے ہم کعبۂ مقصود کو کہسار کی راہ

تنگ دستی نے زمانہ میں یہ پایا ہے رواج
یوسف اس عہد میں تکتا ہے خریدار کی راہ

لب بام آکے جو دیدار کرے عام وہ شوخ
ایک ہو جائے ابھی کافر و دیندار کی راہ

حسن کے عشق نے ہستی میں عدم سے کھینچا
شوق یوسف نے دکھائی ہمیں بازار کی راہ

غیر حق کو میں سمجھتا ہوں خیال باطل
آتش اک دل میں نہیں ہوتی ہے دو چار کی راہ

دامن کا خیال آتا ہے جب جیب دری میں
دیوانوں کے ہو جاتے ہیں اوپر کے تلے ہاتھ

دل دوستئ بت کا نہ پابند ہو یارب
دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ

اس قدر دل کو نہ کر اے بتِ سفاک سیاہ
زیب دیتی نہیں اس کعبہ کو پوشاک سیاہ
یار سے وعدہ فردا ہے عجب کیا اس کا
روز روشن کو کرے گردش افلاک سیاہ
کسی حالت میں نہ طاہر ہو جو ہو اصل نجس
سرخ ہو یا کہ ہو رنگِ سگ ناپاک سیاہ

بندگی کی یہ تمنا ہے کوئی لے جو ہمیں
بکتے ہیں کوڑیوں کے مول خریدار کے ہاتھ
نہیں بے وجہ یہ ابرو سے اشارے ان کے
عشق بازوں کو بتاتے ہیں تلوار کے ہاتھ
نہ جلائے نہ تو گاڑے کوئی ہم کو آتش
مردہ اپنا نہ پڑے کافر دیندار کے ہاتھ

پاس دل رکھتا ہے منظور نظر ہر آئینہ
نیک و بد سے پیش آتا ہے برابر آئینہ
جب نہ تب چڑھتا ہے اس قاتل کے منہ پر آئینہ
ٹکڑے ٹکڑے ہوئے گا اک دن مقرر آئینہ
آنکھ بھر کر ایکدن دیکھا نہ روئے صاف یار
میں وہ مفلس ہوں نہیں جس کو میسر آئینہ

کملی مری پشمینہ سے رکھتی ہے مجھے گرم
سنجاب سے افزوں ہے یہ قاقم سے زیادہ
میخانہ الفت میں نہیں جائے تنک ظرف
کس جام میں یاں نشہ نہیں خم سے زیادہ
حسرت کی نگاہوں سے عیاں حال ہے میرا
گویا ہوں خموشی میں تکلم سے زیادہ
کہتا ہے وہ شوخ آئینہ میں عکس سے آتش
تم ہم سے زیادہ ہو تو ہم تم سے زیادہ

مرد آلودہ نہ ہوں دنیائے بازیگر کیساتھ
کب وفاداری زن فحبہ نے کی شوہر کیساتھ

منزل مقصود کا سودا ہے اپنے سر کیساتھ
گرد رہ کی طرح لپٹے جاتے ہیں رہبر کیساتھ

پر کترتا ہے مرے صیاد تو کاٹ اس طرح
حسرت پرواز بھی اڑ جائے بال و پر کیساتھ

جسقدر نفرت ہے اس سے مجھ تو کل پیشہ کر
اسقدر ہوگی نہ قارون کو محبت زر کیساتھ

صورت آباد جہاں کے حسن کا شیدا نہ ہو
صندل اس بت خانہ میں ملتا ہے درد سر کیساتھ

ہمرہی کا جو کبھی ہوتا ہے آتش اتفاق
خضر صحرا گرد، دیتا ہے مرا ام مرکے ساتھ

اونچا ہو لاکھ تاڑ سے بھی سرو چار ہاتھ
رتبہ بلند ہے ترے قد کا ہزار ہاتھ

کیفیت حیات ہے پیری میں جہاں
لبریز جام روح ہے تن رعشہ دار ہاتھ

گیسو مشکیں رخ محبوب تک آنے لگے
چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

خدا یاد آ گیا مجکو بتوں کی بے نیازی سے
ملا بام حقیقت زینۂ عشق مجازی سے

رسائی مصر تک اسکی، تو اسکی عرش تک حد ہے
مہ کنعاں کو کیا نسبت ہے خورشید مجازی سے

طرحداری کریگی عاشقوں کو جامہ سے باہر
گریباں چاک ہونگے یار کی دامن درازی سے

صفائے قلب سے زیر نگیں ہیں بحر و بر دونوں
ملا رتبہ سکندر کا مجھے آئینہ سازی سے

پناہ اے پُرفریبو قہر سے اللہ کے مانگو
سزا دیتا ہے حاکم آدمی کو قلب سازی سے

رہی ہیں بند اک کان ملاحت کے تصور میں
مزا لوٹا ہے آنکھوں نے مری نظارہ بازی سے

بارہستی نہیں اب مجھ سے سنبھالا جاتا　　یا الٰہی مجھے سمجھے کوئی قاتل بھاری
حامل جسم ہوئی روح ہی کا حوصلہ تھا　　کوہ ناقہ ہو تو اس پر ہے یہ محمل بھاری
نہ پھرا در بدر اے دیدہ معشوق طلب　　دست ہمت کو ہے اب کاسہ سائل بھاری
زور کر توڑ کے جان دل کو اٹھا دنیا سے　　یہ وہ پتھر ہے نہیں جس سے کوئی سِل بھاری
خاک کے پتلے نے وہ بوجھ لیا گردن پر　　کہ سمجھتے تھے جسے عرش کے حامل بھاری
شمع رو نے مرے الٹا سر مجلس جو نقاب　　ایک پر ایک ہوا ساکن محفل بھاری
ناتوانی سے کہاں ہرزہ دوی کی طاقت　　گھر سے دروازے تلک ہے مجھے منزل بھاری

واقعہ دل کا جو موزوں ہے تو مضموں غم ہے　　صفحہ ہر اک مرے دیواں کا صف ماتم ہے
خاکساری سے جھکا ہے سر شوریدہ مرا　　وائے برحال ندامت سے جو گردن خم ہے
دل کہیں جان کہیں چشم کہیں گوش کہیں　　اپنے مجموعہ کا ہر اک ورق برہم ہے
کس نے دیکھا ہے محبت کی نظر سے ان کو　　صف مژگاں ہے تلے زلف سیہ برہم ہے
زندگانی سے جو تنگ آکے ہے دل گھبراتا　　پوچھنے جاتا ہوں مُردوں سے کہ کیا عالم ہے

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری　　خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بُو تیری
یقیں ہے اٹکے گی جاں اپنی آکے گردن میں　　سنا ہے جا ہے قریب رگ گلو تیری
پھرے ہیں مشرق و مغرب سے تا جنوب و شمال　　تلاش کی ہے صنم ہم نے چار سو تیری
پڑھا ہے ہمنے بھی قرآں، قسم ہے قرآں کی　　جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری
شب فراق میں اے روز وصل تا دم صبح　　چراغ ہاتھ میں ہے اور جستجو تیری

جو ابر گریہ زناں ہے تو برق خنداں زناں کسی میں خو ہے ہماری کسی میں خو تیری
زمانہ میں کوئی تجھ سا نہیں ہے سیف زباں
رہے گی معرکہ میں آتشؔ آبرو تیری

ایک حرف اس کی عبارت کا پڑھا جاتا نہیں
لکھ دیا کس خط میں ہے یہ خط پیشانی مجھے
شہر خوباں میں نہیں آتشؔ مروّت کا رواج
تشنہ لب مر جاؤں تو ممکن نہ ہو پانی مجھے

نشۂ دولت سے منعم پیرہن میں مست ہے مرد مفلس حالت رنج و محن میں مست ہے
دور گردوں ہے خداوندا کہ دور شراب دیکھتا ہوں جس کو میں اس انجمن میں مست ہے
ایک ساغر دو جہاں کے غم کو کرتا ہے غلط اے خوشا طالع جو شیخ و برہمن میں مست ہے
وحشت مجنوں و آتشؔ میں ہے بس اتنا ہی فرق
کوئی بن میں مست ہے کوئی وطن میں مست ہے

بیہودہ گفتگو نہیں مرد فقیر کی سیدھی ہے سمجھے تو اگر الٹی کبیر کی
دیکھا مشیر کار نہ دیوانہ کا کوئی اس بادشاہ کو نہیں حاجت وزیر کی
آنکلے تھے کدھر سے کہاں یاں سے جائینگے اول کی کچھ خبر ہے نہ ہمکو اخیر کی

آہستہ پاؤں رکھئے قیامت نہ کیجئے ٹھوکر سے فتنہ ہوتے ہیں بیدار دیکھئے

قزاق کی نگہ سے کم اپنی نگہ نہیں　　کیا لوٹئے جو دولت دیدار دیکھئے

سودے میں ابروؤں کے ہوں وہ ماہ ڈھونڈھتا　　جس میں کہ چاند دیکھ کے تلوار دیکھئے

عالم کی سیر کیجئے آتش ملے گا یار

یوسف جو چاہیں آپ تو بازار دیکھئے

طے کر چکوں کہیں میں نشیب و فراز دہر　　تا چند ٹھوکریں یہ بلند اور پست کھائے

اس بند و بست جسم سے جاں کو نجات ہو　　چھوٹے بڑی طلسم عناصر شکست کھائے

کہنا "بلیٰ" وہ بھولے نہ اے ساقی ازل

لغزش نہ پائے آتش مست "الست" کھائے

پیمبر میں نہیں عاشق ہوں جانی　　رہے موسیٰ ہی سے یہ لن ترانی

رنگا ہے عشق نے کس درد سر سے　　ہمارا جامۂ تن زعفرانی

مسافر کی طرح رہ خانہ بردوش　　نہیں جائے اقامت دار فانی

تیرے کوچہ کے مشتاقوں کے آگے　　جہنم ہے بہشت آسمانی

یقیں ہے دیدہ باریک بیں کو　　کرے عینک طلب یہ ناتوانی

یہ مشت خاک ہو مقبول درگاہ　　صبا کی چاہتا ہوں مہربانی

سفیدی مو کی ہو کافور ہر چند　　کوئی مٹتا ہے یہ داغ جوانی

موئے جو پیشتر مرنے سے وہ لوگ　　کفن سمجھے قبائے زندگانی

جلاتی ہے دل آتش طور کی طرح

کسی پردہ نشیں کی لن ترانی

صدمہ ہے دوش پر سرِ گردن کے بوجھ سے — ہر ایک بوجھ بھاری ہے سو من کے بوجھ سے

ہوش و خرد ہے باعثِ تکلیف آدمی — دیوانہ آشنا نہیں دامن کے بوجھ سے

راحت طلب کو رنج کشوں کی خبر کہاں — آگاہ کیا سوار ہے توسن کے بوجھ سے

سازِ سفر کبھی نہ ہوا بارِ دوش یاں — سمجھا ہیں مال و جنس کو رہزن کی بوجھ سے

سختیٔ بخت و عشق بتاں دونوں قہر ہیں — کم بوجھ سنگ کا نہیں آہن کے بوجھ سے

رندوں کو قید سبحہ و زنار کی نہیں — واقف نہیں ہیں شیخ و برہمن کے بوجھ سے

غماز اپنا ذکر نہ لاوے حضورِ دوست — گردن جھکے نہ منت دشمن کے بوجھ سے

عاشق ملال خاطر اہل جہاں نہ ہوں — خم ہو نہ شاخ بلبل گلشن کے بوجھ سے

آتش یہ سارے رنج ہیں اس زندگی کیساتھ
مردے کو کیا خبر گل مدفن کے بوجھ سے

کون سرگرداں نہیں ہے جستجوئے یار میں — پڑ گئے ہیں پائے شیخ و برہمن میں آبلے

آدمی کی بے شعوری ہے طلب راحت کی یاں — داغ ہیں یہ خانہ چرخ کہن میں آبلے

پاؤں کے چھالے تو نذرِ خارِ صحرا کر چکے — پھوڑیئے اب جل کے دل کی انجمن میں آبلے

خار بھی میرے نصیبوں کا بیاباں میں نہیں — کیا شریک حال ہو دیں گے کفن میں آبلے

اسقدر مجھسے زمانہ کی ہوا ہے برخلاف — کیا عجب بوئے حنا ڈالے بدن میں آبلے

ایڑیاں رگڑیں نہ آتش پھوڑ کر سر مر گیا
مثل مجنوں تھے نہ پائے کوہکن میں آبلے

رہ گیا چاک سے وحشت میں گریباں خالی — نہ چلے خار سے ہم گوشہ داماں خالی

وقت فرصت کو غنیمت سمجھ آنا ہے تو آ — اے اجل عالم تنہائی ہے میداں خالی

باغ عالم میں نہیں کوئی کسی کی سنتا — نہ ہو باغ اپنا کر اے مرغِ خوش الحاں خالی

قید مذہب کی گرفتاری سے چھٹ جاتا ہے — ہو نہ دیوانہ تو ہے عقل سے انساں خالی
تیری درگہ کے فقیروں کے لئے اے محبوب — تخت پر اپنی جگہ کرتے ہیں سلطاں خالی

دلِ بے کینہ کدورت نہیں رکھتا آتشؔ
خس و خاشاک سے ہے اپنا بیاباں خالی

بند نقاب عارض دلدار توڑئیے — باغ مراد عشق کی دیوار توڑئیے
مرغ ترانہ سنج ہوں اس بوستاں کا میں — خونِ بہار ٹپکے اگر خار توڑئیے
گردن ہی اپنی دوشِ پہ اپنے وبال ہے — کیا چھین کر حریف کی تلوار توڑئیے
انساں کو پاس خاطر نازک ضرور ہے — شیشہ شراب کا بھی نہ زنہار توڑئیے

نامرد آسماں سے گوارا ہے کس کو جنگ
آتشؔ سپر کو چیرئیے تلوار توڑئیے

حسرتِ جلوۂ دیدار لئے پھرتی ہے — پیشِ روزن پسِ دیوار لئے پھرتی ہے
اس مشقت سے اسے خاک نہ ہوگا حاصل — جانِ عبث جسم کی بیگار لئے پھرتی ہے
مالِ مفلس مجھے سمجھا ہے جنون نے شاید — وحشتِ دل سر بازار لئے پھرتی ہے
در یار آئے ٹھکانے لگے مٹی میری — دوش پر اپنے صبا بار لئے پھرتی ہے
سایۂ حسن کے ہمراہ ہے عشق بیباک — ساتھ یہ جنسِ خریدار لئے پھرتی ہے

کسی صورت سے نہیں جاں کو قرار اے آتشؔ
طپشِ دل مجھے لاچار لئے پھرتی ہے

رفتگاں کا بھی خیال اے اہل عالم کیجئے — عالم ارواح سے صحبت کوئی دم

حالت غم کو نہ بھولا چاہیئے شادی میں بھی
خندہ گل دیکھ کر یاد اشک شبنم کیجیے

اپنی راحت کیلئے کسکو گوارا ہے یہ رنج
گھر بنا کر گردن محراب کو خم کیجیے

عشق کہتا ہے مجھے رام اس بت وحشی کو کر
حسن کی غیرت اسے سمجھاتی ہے رم کیجیے

ات صحبت گل سے دنکو ہم بغل خورشید سے
رشک اگر کیجیے تو رشک بخت شبنم کیجیے

تھی سزا اپنی جو شادی مرگ قسمت نے کیا
ہجر میں کس نے کہا تھا وصل کا غم کیجیے

آپ کی نازک کمر پر بوجھ پڑتا ہے بہت
بڑھ چلے ہیں حد سے گیسو کچھ انھیں کم کیجیے

اُٹھ گئیں ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روییے کس کے لئے کس کس کا ماتم کیجیے

آئینہ کو رو برو آنے نہ دیجیے یار کے
شانہ سے آتش مزاج زلف برہم کیجیے

وہ دہقان غریب سرزمین عشق بازی ہوں
عوض بارہ ان کے میری کشت پر آتش برستی ہے

فرومایہ کی گردن خم. فلک سے بھی نہیں ہوتی
بھلا تیغ گلی کو بھی کہیں دیکھا کہ کستی ہے

غم و شادی کی حالت دیکھ عالم کے مرقع میں
کوئی تصویر روتی ہے کوئی تصویر ہنستی ہے

غنیمت جان یار آ وہے لحد پر جان کھونے سے
مراد دل ملے کونین تک دے کر تو سستی ہے

ستارہ اپنا گردش میں ہے آتش اس کی گردش سے
فلک کی تنگ چشمی سے ہماری تنگدستی ہے

کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

ناگوارا کو جو کرتا ہے گوارا انساں
زہر پی کر مزۂ شیر و شکر لیتا ہے

منزلِ فقر و فنا جائے ادب ہے غافل
بادشاہ تخت سے یاں اپنے اتر لیتا ہے

گنج پنہاں ہے تصرف میں بنی آدم کے
کان سے لعل یہ دریائے گہر لیتا ہے

پیش کش گل سے طلب کرتے ہیں رنگیں مضموں
سرو سے باج مرا مصرع تر لیتا ہے

روح و قالب کی جدائی ہے جدائی تیری
دم نکلتا ہے جو تو نام سفر لیتا ہے

ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزا عاشق کو
شوق کا مرتبہ جب حد سے گذر لیتا ہے

عزت نالہ و فریاد نہ کھو اے آتش
آشنا کوئی نہیں کون خبر لیتا ہے

ہستی چند روزے تو تنگ ہی رکھا
خواب عدم میں دیکھیں گے صورت فراغ کی

بے اعتبار نقش و نگار زمانہ ہے
اک رنگ پر ہوا نہیں رہتی ہے باغ کی

ظاہر ہوا مجھے یہ بلندی سرو سے
کرتی ہے کام خاک بھی عالی دماغ کی

گم ہونگے ایسے ڈھونڈھے بھی پائے نہ جائینگے
کھودے گی فکر ہم کو تمھارے سراغ کی

پاتے نہیں زمانے میں آتش خوشی کا نام
عنقا ہے اپنے دور میں گردش ایاغ کی

مومن و کافر جگہ دیتے ہیں آنکھوں میں اسے
طور کا سرمہ کسی نقش قدم کی خاک ہے

کلفتِ ایام سے پردہ نہیں کچھ حسن کو
خوبرویوں کو مزیب ملگجی پوشاک ہے

دہ گریباں گیر ہے ترا میں دامن گیر یار
عشق یاں گستاخ ہے داں حسن اگر بیباک ہے

نارسائی طالعِ بد کی بیاں کیا کیجئے　　پاؤں شل ہو جائیں قاصد کے اگر چالاک ہے

مرد سے بہتر ہے نام مرد سچ ہے یہ مثل

پہلوانی ہے سو ہے، رستم کی آتش ڈھاک ہے

کبھی جو جذب محبت سے کام ہوتا ہے　　نقاب الٹتا ہے دیدار عام ہوتا ہے

خدا کی یاد جوانی میں عنا فلو کر لو　　وگرنہ وقت فضیلت تمام ہوتا ہے

الٰہی کیوں نہیں خواہاں کوئی صنم اسکا　　یہ دل تو شرط وفا پر غلام ہوتا ہے

کوئی زمانہ سے جاتا ہے کوئی آتا ہے　　کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

ملازموں میں ہیں سلطان عشق کے ہم بھی

کبھی ہمارا بھی آتش سلام ہوتا ہے

زمانہ میں کوئی غربت زدہ نہیں ہم سا　　اڑی نہ اپنی کبھی جانب وطن مٹی

قبول خاطر مردم ہو توتیا کی طرح　　عزیز تیری کریں شیخ و برہمن مٹی

نہ ہووے قالب خاکی غبار خاطر روح　　قبول سینہ کے اوپر ہزار من مٹی

زمیں سے ہووے گا اک آسمان نو پیدا　　پس از فنا جو ہوئی اپنی چرخ زن مٹی

مآل کار کا اپنے نہیں خیال آتا　　ملایا کرتے ہیں مٹی میں گورکن مٹی

کسی نے اُف بھی نہ کی شمع جل کے خاک ہوئی

نہ ہووے گی مگر آتش یہ انجمن مٹی

رعشہ پیری ہے وہ جوش جوانی کا عوض　　اپنی بدمستی کا خمیازہ نہ کیوں کر کھینچتے

بوالہوس عاشق کے جیتے جی نہیں شایاں قتل　　دوست تھے میرے تو دشمن پر نہ خنجر کھینچتے

کیا مزہ کالبدِ خاک میں اے روح ملا   یا نکلتی ہی نہیں یا تو وہ بیزاری تھی

چھوٹ کر عشق کے پھندے سے ہوں تنگ اے آتشؔ
مجھکو آزادی سے بہتر وہ گرفتاری تھی

عیش ہوتا کچھ اگر غم کدۂ دنیا میں   روح قالب میں خوشی سے نہ سمائی ہوتی

کیا نفاق انگیز چلتی ہے زمانہ میں ہوا   سیکڑوں مجموعۂ صحبت پریشاں ہو گئے
آہ برلب، داغ بردل، بس کہ عبرت نے کیا   شمع دگل ہم برسر گورِ غریباں ہو گئے
دل نے جب سمجھا ہمارے یادگارِ رفتگاں   یوسف اپنی آنکھ میں داغِ عزیزاں ہو گئے
جو چلن چاہیں چلیں آتش تبان بے وفا
حُسن جب پیدا ہوا سب عیب پنہاں ہو گئے

ترکِ دنیا، سمجھ جوانمردی   نفرت اس پیر زن سے بہتر ہے
گور میں بھاگ اہلِ دنیا سے   خلوت اس انجمن سے بہتر ہے
ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر   ہمکو غربت وطن سے بہتر ہے

کون سی شب ہے جو رو رو کے نہیں کٹتی ہے
شام ہوتی ہے ادھر چھاتی اُدھر پھٹتی ہے
صورت شمع ہوں ہرچند فروغ محفل
بات کرنے نہیں پاتا کہ زبان کٹتی ہے

گوش وہ ہے جو سُنا کرتا ہے افسانۂ حُسن
وہ زباں ہے جو صنم نام ترا رٹتی ہے
سائلِ دولتِ دنیا ہوں میں اے آتشؔ کیا
گنجِ قارون سے بھی اوقات نہیں کٹتی ہے

شب کی شب میں ہو گئی اس مرتبہ دل بستگی — صبح کو روتی ہوئی شبنم گئی گلزار سے
کی نہ جن آنکھوں نے بلبل کی نگہ سے سیر باغ — ہم نے یہ جانا کہ نابینا گئیں گلزار سے
نیند آتی ہے کسے آتشؔ فراقِ یار میں
خواب کو نفرت ہے اپنے دیدۂ بیدار سے

دم فنا کیجے اپنا نفسِ سرد کے ساتھ — ٹھنڈے ٹھنڈے طرفِ گورِ غریباں چلیے
زلف کے سودے میں اک عمر بسر کی آتشؔ
بس بہت دیکھ چکے خوابِ پریشاں چلیے

برنگِ آئینہ انساں کی قسمت ہے اگر سیدھی — موافق ہے زمانہ، دوست دشمن کی نظر سیدھی
سرِ مغرور کو جمعیتِ دنیا جھکاتی ہے — نہیں دیکھی چمن میں ہم نے شاخِ بارور سیدھی
نہ پستی و بلندی ہے نہ ایسے پھیر کے رستے — عدم کی راہ سب راہوں سے ہے اے بیخبر سیدھی
جو منہ میں یار کی آتا ہے بک جاتا ہے اے آتشؔ
نہ الٹی ہی سمجھتا ہے نہ وہ رشکِ قمر سیدھی

شعر الہامی یہ پہونچا تی ہے وہ لاتا تھا وحی
فکر عالی منزلت بھی ہمرہٗ جبریل ہے
منتظر ہے چشم روز وعدهٔ دیدار کی
گوش مشتاق صدائے صور اسرافیل ہے

—·+○+·—

چاہتا ہوں یار کو پیش نظر آٹھوں پہر
مانگتا ہوں رات پروانے سے دن سرخاب سے
جسم خاکی ہوگیا داخل گڑھے میں گور کے
کھینچ گئی آخر یہ کشتی جذبۂ گرداب سے
دل نے اسے آتش کیا داغ محبت کو پسند
ساتھ جاوے گی یہ شئے اس عالم اسباب سے
وہ توں جہاں کے کام کا رکھا نہ عشق نے
دنیا و آخرت سے کیا بے خبر مجھے
معشوق تھے غرور سزاوار تھا نہیں
شکوہ نہیں ہے تم نے نہ پوچھا اگر مجھے
شمشیر خارجی نہیں ہونے کی کارگر
حب علی کی کافی ہے آتش سپر مجھے
گل سے افزوں مری آنکھوں میں لگو کانٹے
پھول رکھتا ہے تری بو تو تری خو کانٹے
ہمنشیں دل نہیں اک آبلہ سا پکتا ہے
جی میں آتا ہے بھردوں چیر کے پہلو کانٹے
نہ تو بلبل نظر آتا ہے چمن میں نہ تو گل
اک طرف برگ خزاں ڈھیر ہیں یکسو کانٹے
کام اک آبلہ کا ان سے نہیں ہوتا ہے
نہیں معلوم ہیں کس دردکی دارو کانٹے
بدسرشتوں کو نہ نیکوں کا اثر ہو ہرگز
صحبت گل سے نہ ہو دیں کبھی خوشبو کانٹے

گرم رفتاری سے سر آبلہ اک اخگر ہے
پانوں سے میرے تہی کرتے ہیں پہلو کانٹے

پاخراشی ہے مری کوہکنی سے افزوں
پھلے پیدا تو کریں قوت بازو کانٹے

باغ عالم میں جو راحت ہے تو پھر رنج بھی ہے
تا کمر گل ہیں تو یاں تا بسر زانو کانٹے

جو نہ دے رنج کسی کو اسے ہوتا نہیں رنج
پانوں پر میرے نہیں پانے کے قابو کانٹے

یار داغیار کو رد و شی ہے مجھ سے آتش
گل ہی یاں سامنے آتا ہے نہ برو کانٹے

شمع ایمن وہ سراپا نور پیراہن میں ہے
داغ سینہ یاں چراغ طور پیراہن میں ہے

جسم کے جامہ کو بھی دیکھا تو ہے زنداں تنگ
سخت دیوانہ ہے جو مسرور پیراہن میں ہے

چار دیوار چمن ہے یاں لباس خستہ تن
داغ کا گل، زخم کا انگور، پیراہن میں ہے

عالم نیرنگ ہے دنیا طبائع مختلف
تنگ ہے غنچہ تو گل مسرور پیراہن میں ہے

جو عالم حسن رکھتا ہے تو حالت عشق غارتگر
کہیں زلف مسلسل ہے کہیں اشک مسلسل ہے

سوا تیرے کسی کا دھیان آتا ہو تو کافر ہوں
دوئی جس دل میں ہے وہ دل نہیں ہے چشم احول ہے

فروغ ظاہری کرتا ہے کیا، باطن کو روشن کر
طلائی گو کہ ہو مطلب سے خارج خط جدول ہے

پھو بختی ہے مجھے ہر صبح بے کوشش مری روزی
توکل آدمی کے واسطے گویا موکل ہے

وہی عالم ہے اب تک خاکساران محبت کا
وہی نقش قدم کی خاک پیشانی کا صندل ہے

فقیری جس نے کی گویا کہ اس نے بادشاہی کی
جسے ظل ہما کہتے ہیں درویشوں کا کمبل ہے

لب نان جویں خشک رکھتا ہے دہن شیریں
قناعت شہد ہے آتش ہوا و حرص حنظل ہے

جان جاتی ہے ولیکن آہ دل کرتا نہیں ناقۂ لیلیٰ رواں ہے پر جرس خاموش ہے
عاقل اتنے تو بکارِ خویش ہم دیوانے ہیں موسمِ گل تک گریباں پھاڑنے کا ہوش ہے
ضعفِ پیری سے نہیں ہوتا ہے قد انساں کا خم توڑتی آخر کمر کو حسرتِ آغوش ہے
دردِ دل کہنے کی خو مجکو نہ سننے کی اسے عہد میں میری زباں نایاب و عنقا گوش ہے

ناگوار آتشؔ ہے اپنی ہمت مردانہ کو
باندھنا مضمون غیر اتری ہوئی پاپوش ہے

پشت بر دیوار حیرت ہیں ہزاروں صورتیں صاحب آئینہ خانہ آج تک روپوش ہے
مردہ کس بیکس کا دریا میں بہایا جائیگا جس حباب بحر کو دیکھا سراپا دوش ہے
گفتگوِ اہلِ غفلت کی حقیقت کچھ نہیں خواب میں چلائے ہر چند آدمی خاموش ہے
اہل دنیا حال ہم دیگر سے کیا ہوں مطلع مجلس تصویر میں کسکو کسی کا ہوش ہے
کنج تنہائی میں بھی چلا کے رو سکتا نہیں لوگ کہتے دردِ دیوار کے بھی گوش ہے

گل ہر اک ساغر بکف بلبل ہر اک نغمہ طراز
سیر باغ آتشؔ مجھے ایمائے ناؤنوش ہے

پہلے پروانہ سے مغز شمع میں لگتی ہے آگ بے تامل حسن بھی ہے عشق اگر بے صبر ہے
کوچۂ محبوب میں میں، خانۂ کعبہ میں شیخ بتکدہ میں برہمن آتش کدہ میں گبر ہے

شغل مے خواری چمن میں چل کے آتشؔ کیجئے
فرش سبزے کا لب جو ہے ہوا ہے ابر ہے

شب باش ہوں سایہ تلے جسکے میں بلاکش شبنم سی وہ چھت شامت تقدیر سے ٹپکے
بے ننگ زمیں ہو تو اسے کیا کرے شاعر رسی ہو تو رنگریز کی تدبیر سے ٹپکے

مضموں کہو آتشؔ انھیں یا آم انھیں سمجھو
ہاتھ آئے ہیں دو چار یہ تقدیر سے ٹپکے

آہ کھینچوں جو پیالہ کو کبھی ٹھیس لگے
سر کو پھوڑوں میں صراحی کی جو گردن ٹوٹے

ہموں میں وہ کشت بچے برق سے بارانیں اگر
لشکر مور پہ غارت خرمن ٹوٹے

اہل دنیا کی خرابی ہوئی ظاہر مجکو
نظر آئے جو کہیں گنبدِ مدفن ٹوٹے

~~~+ ۵ +~~~

چلی ہے ایسی زمانہ میں کچھ ہوا الٹی
کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا الٹی

بیاں حالت دل پیش یار ہو نہ سکا
زباں کبھی نہ دم عرض مدعا الٹی

کسی طرح سے نہ ٹوٹا طلسم حسرت و یاس
درِ قبول سے ٹکرا کے سر، دعا الٹی

نگاہ یار کی پھرتے ہی ہم سے اے آتشؔ
زمانہ پھر گیا چلنے لگی ہوا الٹی

سر شمع سان کٹائیے پر دم نہ ماریے
منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریے

مقسوم کا جو ہے سو وہ پہونچے گا آپ سے
پھیلائیے نہ ہاتھ نہ دامن پساریے

طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار
زر کی طمع سے چھانتے ہیں خاک نیاریے

تنہائی ہے، غریبی ہے، صحرا ہے، خار ہے
کون آشنائے حال ہے کس کو پکاریے

تم فاتحہ بھی پڑھ چکے ہم دفن بھی ہوئے
بس خاک میں ملا چکے چلئے سدھاریے

نازک دلوں کو شرط ہے آتشؔ خیالِ یار
شیشہ خدا جو دے تو پری کو اتاریے
~~~

یار قاتل ہے تو کس کو موت سے پرہیز ہے
سر تصدق ہے اگر مژگاں کا خنجر تیز ہے

سر کو لیکر ہاتھ پر رکھ کوچۂ قاتل میں پانوں
آسماں سے بھی سوایاں کی زمیں خونریز ہے

کاتب قدرت سے اپنی گفتگو ہے روز حشر
خطِ پیشانی ہمارے پاس دست آویز ہے

زہر کھانا ہے، نہ پینا اب شراب شوق کا
وصل کی شب ہے پیالہ ہجر کا لبریز ہے

غیر رسوائی کبھی ان سے نہ کچھ حاصل ہوا
عشق سے نفرت ہے، مجکو حسن سے پرہیز ہے

منزل مقصود تک اللہ پہونچائے ہمیں
وقت شب ہے، ابر ہے، صحرائے آفت خیز ہے

بلبل بستاں کے نالے سے یہ آتی ہے صدا
گوش گل نا آشنائے حرفِ شوق آمیز ہے

اشک کے شامل ہے خونابِ دلِ پُر داغ بھی
الحذر اے آستیں یہ آب آتش بیز ہے

تختہ پارہ کی طرح ہے حال دل آتش تباہ
بیقراری لجۂ دریائے طوفاں خیز ہے

کفر و اسلام سے آزاد ہوں، بے قید ہوں میں
مجھ سے کافر ہی نہ جھگڑے نہ تو دیندار اُلجھے

حسن کو ایک طرح پر نہیں اک لحظہ قرار
صاف سو بار وہ گیسو ہوئے سو بار اُلجھے

ہجر کی شب میں کہانی سے کوئی آتی ہے نیند
قصہ خواں کے بدلے یاں لیسین خواں درکار ہے

آدمی کے واسطے کچھ اور ہووے یا نہ ہو
ساقی و مے، سبزہ و آب رواں درکار ہے

قیمت دل ان بتوں سے کیا سمجھ کر مانگئے
رہزنوں کو مفت مال کارواں درکار ہے

یہ سرخ لشتہ میں چشم سیاہِ یار ہوئی   زیادہ گر شفقِ شام سے بہار ہوئی

گذر ہوا جو کبھی مرقد عزیباں پر   گھٹائیں پھوٹ بہیں برق بیقرار ہوئی

وہ کوہ ہوں میں پرکاہ ہے گراں جس کو   وہ کاہ ہوں کمرِ کوہ پر جو بار ہوئی

وفا سرشت ہوں شیوہ ہے دوستی میرا   نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی

سنا ہے قصۂ مجنوں و وامق و فرہاد
کسی کو عاشقی آتش نہ سازگار ہوئی

نیچی نظروں سے ہوا اسکی زمانہ پامال   آنکھ اٹھائی تو کیا عالم بالا خالی

گردش چشم کہاں گردش ساغر بھی نہیں   نظر آیا یہ مجھے گنبدِ مینا خالی

سمجھے آتش نہ کوئی آدم خاکی کو حقیر
نہیں اسرار سے یہ خاک کا پتلا خالی

موت مانگوں تو رہے آرزو خواب مجھے   ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

میری ایذا کیلئے مردے میں جان آتی ہے   کاٹنے دوڑتی ہے ماہیٔ بے آب مجھے

دہن گرگ سے جیتا جو بچوں صحرا میں   ذبح کرنے کے لئے مول لے قصاب مجھے

اے فلک پہنے رہے عریاں ہی بس از مرگ بھی تو   سونپتا کیا ہے کفن، دزد کا اسباب مجھے

نہیں بھولا ہے جنوں میں وہ حواس اڑ جانا   یاد ہے برہمیٔ صحبت احباب مجھے

دل غنی چاہیئے گو ہوں میں فقیر اے آتش
شیر کی کھال ہی ہے قاقم و سنجاب مجھے

کیا کیا نہ رنگ تیرے طلبگار لا چکے   مستوں کو جوش، صوفیوں کو حال آ چکے

ہستی کو مثل نقش کف پا مٹا چکے   عاشق نقابِ شاہدِ مقصود اٹھا چکے

کعبہ سے دیر دیر سے کعبہ کو جا چکے
کیا کیا نہ اس دو راہے میں ہم پھر کھا چکے

کنعاں سے شہر مصر میں یوسف کو بے گئے
بازار میں بھی حسن کو آخر دکھا چکے

ہوتی ہے تن میں روح پیام اجل سے شاد
دن وعدۂ وصال کے نزدیک آ چکے

اس دلربا سے وصل ہوا دے کے جان کو
یوسف کو مول لے چکے قیمت چکا چکے

مجبور کر دیا ہے محبت نے یار کی
باہر ہم اختیار سے ہیں اپنے جا چکے

صدہوں نے عشق وحسن کے دم کر دیا فنا
آتش سزا گناہِ محبت کی پا چکے

برنگ غنچۂ پژمردہ دل گرفتہ چلے
شگفتہ ہو کے نہ دو دن بھی ہمنے یاں کاٹے

لگاے پہلے ہی تیشہ کو اپنے سر پہ کاش
بڑا پہاڑ یہ فرہاد خستہ جاں کاٹے

کسی کا ہو رہے آتش کسی کو کوئی کر رکھے
دو روزہ زلیست کو انساں نہ رائیگاں کاٹے

دور اتنا بھی بس اے منزل مقصود نہ کھینچ
تھک گیا لاکھ میں ہمت تو نہیں ہاری ہے

غم کو نین فراموش ہوا الفت میں
لاکھ آزادی نہ اک دل کی گرفتاری ہے

رات آرام سے کٹتی ہے، نہ دن راحت سے
زندگانیٔ دو روزہ مجھے بیماری ہے

سایۂ دامنِ جلاد میں ٹھنڈا ہو لوں
منزل سخت ہے پشتارہ بہت بھاری ہے

دل کا گاہک وہ ہلاکو ہے خدا خیر کرے
بد بلا حاکم ظالم کی خریداری ہے

مردم دیدہ رہے سایہ مژگاں کے تلے
زیست کا لطف ملا خنجر براں کے تلے

وسعت یاران وطن سے نہیں مٹی درکار
دب مرونگا میں کہیں ریگ بیاباں کے تلے

دستخط فرد تو قسمت کی ہوئی ہے لیکن
بھولے سے رہ گئی ہے مسند سلطاں کے تلے

بخت بد نے مجھے ہر چند مٹایا آتش
رہ گیا نام مرا گنبدِ گرداں کے تلے

منت سفلہ اٹھائیں نہ کبھی عالی جاہ
اڑ کے کافور کہاں داغ قمر تک پہونچے

دل خونخوار سے ہوتی ہے کدورت کوئی دم
زنگ شمشیر نہ نکلے جو جگر تک پہونچے

دنیا میں محبت کا کہیں نام نہیں ہے
گم عقل ہے ردا شکر و شیر میں میری

اس رعشۂ پیری سے تو موت آنی ہے بہتر
دن رات ہے اک زلزلہ تعمیر میں میری

ہر شب شب برات ہے ہر روز روز عید
سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں ڈال کے

مضمون رفتگاں ہے طبیعت کو اپنی ننگ
گاہک نہ ہوویں ہم کبھی مردے کے مال کے

معنی کے شوق میں جو ہوا دل کو میل فکر
تصویر شعر بن گئے پتلے خیال کے

آئینہ سے کلام کو کیوں کر کیا ہے صاف
حیران کار ہم بھی ہیں آتش کے حال کے

رخصت یار کا جس وقت خیال آتا ہے
عمر رفتہ کو مجھے یاد دلا جاتا ہے

جان کھوتا ہے عبث عشق بتاں میں آتش
سر کو ناداں کوئی کہسار سے ٹکراتا ہے

حسن یوسف ہے وہی رونق بازار تک
وہی کثرت ہے جو کثرت کہ خریدار کی تھی
مصلحت تھی وہی جو کچھ کہ کیا جس سے سلوک
دل جو تھا یار کا تھا جان جو تھی یار کی تھی
طور پر بھیجیو آتش کو عزیزو تم دفن
آرزو اس کو بہت جلوۂ دیدار کی تھی

———

داماں دوست کی ہے سکندر کو آرزو
باہر کفن سے ہاتھ نہیں بے سبب رہے
مانع تھا عرض حال کا از بس کہ رعب حسن
منہ دیکھتے ہی یار کا محفل میں سب رہے

———

نفس سرد سے یہ روح کو آتی ہے صدا
ٹھنڈے ٹھنڈے وہ سدھارے کہ جو مہماں ہووے
کفر و اسلام کی کچھ قید نہیں اے آتش
شیخ ہو یا کہ برہمن ہو پر انساں ہووے

———

اشتیاق وصلت میں جاں لب تک آئی ہے
عشق نے ستایا ہے حسن کی دہائی ہے
دیر سے نہیں واقف، بے خبر ہیں کعبہ سے
قصر یار کے در پر شوق جبہ سائی ہے
روسیاہ زاہد ہے سجدہ ریائی سے
اس کے ماتھے کا گھٹا داغ پارسائی ہے

———

چہرۂ محبوب پھیکا ہے جو خال اس میں نہ ہو
خوان نعمت پر مقرر اک نمکداں چاہیے
کچھ سوا اس کے علاج وحشت عاشق نہیں
موت سی زنجیر یا مرقد سا زنداں چاہیے

تری ابروئے پیوستہ کا عالم میں فسانہ ہے
کسی استاد شاعر کی یہ بیتِ عاشقانہ ہے

خوب روئے حال پر اپنے وطن کا سُنکے حال
کوئی غربت میں جو آنکلا ہمارے شہر سے

اک راہ اتحاد اے دل یہ ہے جو ہوسکے
یاد میں اسکی دو عالم بھول جایا چاہیئے

عاشق ہوں مگر کرتے ہیں معشوق خوشامد
نازک ہے طبیعت مری بیمار کی خو سے

آرزو ہے یہی آتشؔ کی خدا اے زاہد
تجھ کو غم نوش کرے مجکو قدح نوش کرے

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے

پیام بر نہ میسّر ہوا تو خوب ہوا
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

ہمیشہ رنگ زمانہ بدلتا رہتا ہے
سفید رنگ ہیں آخر سیاہ مو کرتے

یہ کعبہ سے نہیں بے وجہ نسبتِ رخ یار
یہ بے سبب نہیں مردے کو قبلہ رو کرتے

وہ جان جان نہیں آتا تو موت ہی آتی
دل و جگر کو کہاں تک بھلا لہو کرتے

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتشؔ
برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

دل گذر گاہ حسیناں تھا تصور سے کبھی
یاد اس ویرانہ کی آتی ہے آبادی مجھے

اور کوئی طلب ابنائے زمانے سے نہیں
مجھ پر احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں کرتے
بے وفائی کا اگر عیب نہ ہوتا تم میں
اے بتو سجدہ خدا کو نہ مسلماں کرتے
یار سے وعدۂ فردا ہے جو ممکن ہوتا
شام سے صبح کا ہم چاک گریباں کرتے

افسانہ سے بدتر ہے جو ہو راز ہویدا
اظہار فقیری نہیں بہتر کفنی سے
گردوں سے نہ ہو دولت دنیا کا طلبگار
کب فیض کو پہونچا ہے کوئی مال دنی سے
افسوس کہ فرہاد کو پہلے ہی نہ سوجھی
سر پھوڑ کے مر جایئے اس تیشہ زنی سے
کرتے ہیں عبث یار ملامت مجھے آتشؔ
مجبور ہے یہ خاک کا پتلا شدنی سے
نسیم صبح سے مرجھایا جاتا ہوں وہ غنچہ ہوں
وہ گل ہوں میں جسے شبنم بلائے آسمانی ہے
خرابی سے ارادہ ہے مکاں تعمیر کرنے کا
گرا کر قصر تن کو گور کی منزل اٹھانی ہے

سینہ پر سنگ ملامت جو گراں جاں روکے
گرز رستم کو یقیں ہے کہ وہ انساں روکے
برق رفتار ہوں منزل ہے مرے زیر قدم
ابر گھیرے مجھے ہر چند کہ باراں روکے
شوق سے لٹکے کمر پر ہمیں کچھ کام نہیں
سامنا رخ کا نہ وہ زلف پریشاں روکے
ہنستے ہیں گل کیطرح اہل جہاں کیا آتشؔ
مثل شبنم گئے اس باغ سے مہماں روکے

قدرِ نعمت بعدِ نعمت کے ہے کرتا آدمی
عہدِ پیری میں جوانی کا مجھے افسوس ہے
آہِ سرد، واشکِ گرم، ورنگِ زرد، ودردِ عشق
دے جو اس معجون کو ترکیب جالینوس ہے

تصویر کھینچی اس کے رخِ سرخ فام کی
اِک صفحہ میں قلم نے گلستاں تمام کی
کیا اپنی انجمن میں صبا کو میں راہ دوں
کلیوں میں بوئے خلوتِ خاص اس نے عام کی
اصلاح لینے آتے ہیں رنگیں خیال لوگ
خدمت ہے اس چمن میں مجھے انتظام کی
حجت ہے بہرِ مذہبِ عشق ایک ایک داغ
سینہ مرا کتاب ہے علمِ کلام کی
اللہ رے پھڑکنا اسیرانِ تازہ کا
صیاد خیر مانگتا ہے اپنے دام کی
استادہ دیکھتا ہوں گلستاں میں سرو کو
آزادی پر بھی خو نہیں بدلی غلام کی
مضموں کا چور ہوتا ہے رسوا جہاں میں
چکھی خراب کرتی ہے مالِ حرام کی

گذرا مجاز سے تو حقیقت کھلی مجھے
قرآں کا سامنا تھا جو ابجد تمام کی
گھر سے خدا کے ملتے ہیں مضموں مجھے بلند
فکرِ رسا کمند ہے کعبہ کے بام کی
پہونچا وہ عرش پر جو درِ دل تلک گیا
رفعت ہے آستانہ میں اس گھر کے بام کی
باغِ جہاں میں گل کی قناعت ہے جائے رشک
عمر دو روزہ ایک قبا میں تمام کی
بیمارِ عشق ہوں مجھے عیسیٰ جواب دے
کانوں کو آرزو ہے اجل کے پیام کی
پیدا نہ ہوگا دوسرا مجھ سا شراب خوار
مٹی خراب ہو گی میرے بعد جام کی
اندیشہ بہار سے رنگِ خزاں ہے زرد
دہشت لگی ہوئی ہے اسے انتقام کی
آتشؔ خدا کے واسطے موقوف فکرِ شعر
طاقت نہیں دماغ کو نظمِ کلام کی

منہ دکھاؤ بہت رہی تکرار
ارنی اور لن ترانی کی
جسکو کہتے ہیں چودھویں کا چاند
تیری تصویر ہے جوانی کی
ہوگیا عشق، حسن سے ناگاہ
پوچھتے کیا ہو ناگہانی کی
راحت مرگ کو نہ پوچھ آتش
نہ رہی قدر زندگانی کی

واقف ہوئی خزاں نہ ہماری بہار سے
بدلہ نہ رنگ نشہ نے اپنے خمار سے
سمجھے تو رنج و راحت بلبل ہے مدعا
اس مطلع دو لخت خزاں و بہار سے
رکھ دیں برہنہ گور میں اہل جہاں مجھے
دس گز کفن قبول نہیں روزگار سے

صفائے قلب کو حاصل کیا میں نے مقدر سے
یہ آئینہ میرے ہاتھ آگیا بخت سکندر سے
کیا ہے عشق پیدا گردش چشم فسوں گر سے
یہ کیفیت ہمیں حاصل ہوئی ہے دور ساغر سے
صف مژگاں کی جنبش نے غبار خط کیا پیدا
نمود گرد کی بنیاد ہے تحریک لشکر سے
کسی دلدار کے سایہ کا عالم یاد آئے گا
قیامت ہوگی ہم پر گرمی خورشید محشر سے
عداوت بے شعوروں کی ضرر پہونچا نہیں سکتی
ہوا کس روز دیوانہ کوئی لڑکوں کے پتھر سے

۱۰۲

وہ ماتم دوست ہوں، رویا کیا ہوں رات بھر آتشؔ
چراغ گور اگر گل ہو گیا ہے بادِ صرصر سے

وہی چِتون کی خونخواری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے
تری آنکھوں کی بیماری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے

وہی سر کا پٹکنا ہے وہی رونا ہے دن بھر کا
وہی راتوں کی بیداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

رواج عشق کے آئین وہی ہیں کشور دل میں
رہ و رسم وفا جاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

فراق یار میں جس طرح سے مرتا تھا مرتا ہوں
وہ روح و تن کی بیزاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

وہی سودائے کاکل کا ہے عالم جو کہ سابق تھا
یہ شب بیمار پر بھاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

جنوں کی گرم جوشی ہے وہی دیوانوں سے اپنے
وہی داغوں کی گل کاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

وہی بازار گرمی ہے محبت کی ہنوز آتشؔ
وہ یوسف کی خریداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

عارف ہے وہ جو حسن کا جویا جہاں میں ہے

باہر نہیں ہے یوسف اسی کارواں میں ہے

دکھلا رہی ہے دل کی صفا دو جہاں کی سیر
کیا آئینہ لگا ہوا اپنے مکاں میں ہے
سرکش کی منزلت ہے سبک پیش خاکسار
وہ تمکنت زمیں کی کہاں آسماں میں ہے

طفلی میں کبھی شادی متوحش رہی ہم سے — چھٹی نہ ملی جمعہ کو کبھی ہفتہ کے غم سے
ایسا بھی کوئی دور ہو گردش سے فلک کی — وہ لوگ زیادہ ہوں جو جھک جاتے ہیں کم سے

گرم جوشی محبت کا وہی انداز ہے — داغ دل سے ربط ہے سوز جگر سے ساز ہے
محو رہتا ہوں میں یاد حسن عالمگیر میں — ذکر سلطاں مجھ فقیر مست کا دمساز ہے
مرغ دل عاشق کا چشم یار سے بچتا نہیں — تیز پر شاہیں سے بھی اسکی نگہ کا باز ہے
فصل گل ہے شیشہ و پیمانہ کا ہے دور دور — خانقاہیں بند ہیں میخانہ کا در باز ہے
لعل سے لب، دُر سے دنداں کا ہے مضموں باندھتا
مرد شاعر تو نہیں آتش مرصع ساز ہے

زلف سے چھٹ کے نگہ الجھی رخ جاناں سے — لے گئی کعبہ کو قسمت مجھے ہندوستان سے
حالت شمع حرارت سے بہم پہونچی ہے — سر کٹے پر نہ ہٹے پانوں مرا میدان سے
نیک طینت کو بدی کا نہیں منظور عوض — انتقام اپنا نہ یوسف نے لیا اخواں سے
اخر کار جہاں سے ہو اگر آگاہی — صاحب خانہ نظر آنے لگیں مہماں سے

پست فطرت کو نہ ہو رتبہ اعلیٰ حاصل ایک تہ خانہ کو دیکھا نہ بلند ایواں سے

آستیں ہوں وہ کہ مربوط گریباں سے نہیں وہ گریباں ہوں، جسے قرب نہیں داماں سے
آسماں سے ہے توقع کسے سرسبزی کی ہوں وہ افتادہ زمیں جو نہ اٹھے دہقاں سے
رنج دنیا میں زیادہ ہے تو راحت کم ہے وصل کا روز ہے کوتاہ شبِ ہجراں سے
بخت خفتہ کو جگا کر اسے لو کر رکھوں خواب کا روکنا ممکن ہو اگر درباں سے

شیر ہم اور نیستاں ہے حصیر اے آتش
سلسلہ فقر کا اپنے ہے شہ مرداں سے

وصل کے بعد کھلا ہم کو شبِ ہجراں سے یوں ہی ہوتی ہے مکافات عمل انساں سے
کعبہ و دیر میں نافہمی سے پھرتا ہے خراب دور سمجھا ہے جسے ہے وہ قریب انساں سے

گردش بخت ہے یا گردش پرکار آتش
پانوں اٹھتا نہیں اس دائرہ دوراں سے

ساغر صاف، مئے حبِ علی مشرب ہے مرد مومن ہوں میں اثنا عشری مذہب ہے
کنج تنہائی میں آگے خفقاں ہوتا تھا اپنی پرچھائیں کی صورت سے بھی نفرت اب ہے
عشق کامل ہے سبب حسن سے یکرنگی کا شمع و پروانہ کا جل جانے میں ایک مذہب ہے
شہسواروں کو گراتا ہے یہ پشت زیں سے کس قدر ابلقِ ایام برا مرکب ہے
حیف ہے سوزش دل کا نہ ہوا اشکوں سے علاج بیشتر ورنہ پسینے سے اترتی تب ہے
دوست ہو جائے جو دشمن مرے اشعار سنے مدعا مہر محبت سے وفا مطلب ہے
کونسی شے ہے زمانہ میں نہیں جو اس میں سیر کر دل ہی میں دنیا کا تماشا سب ہے

حشر پر وعدۂ دیدار نہ کر عاشق سے — کسکو معلوم ہے فردائے قیامت کب ہے
جسم کو جانتے ہیں صنعت دست قدرت — روح کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امر رب ہے

تیغ بے آب ہے نے بازوئے قاتل کمزور — کچھ گراں جانی ہے کچھ موت نے فرصت دی ہے
کوئی اکسیر غنی دل نہیں رکھتی ایسا — خاکساری نہیں دی ہے مجھے دولت دی ہے
جسم کو زیر زمیں بھی وہی پہونچا دے گا — روح کو جس نے فلک سیر کی طاقت دی ہے
فرقت یار میں رو رو کے بسر کرتا ہوں — زندگانی مجھے کیا دی ہے مصیبت دی ہے
گوش پیدا کئے سننے کو ترا ذکر جمال — دیکھنے کو ترے آنکھوں میں بصارت دی ہے
لطف دل بستگی عاشق شیدا کو نہ پوچھ — دو جہاں سے اس اسیری نے فراغت دی ہے

نفس شقی بھی روح کے ہمراہ تن میں ہے — یوسف کے ساتھ گرگ بھی اس پیراہن میں ہے
خالی زمانہ کو نہ سمجھ حسن و عشق سے — پروانہ اور شمع ہنوز انجمن میں ہے
زلفیں ہٹائیے رخ روشن سے مہرباں — اختر شناس کہتے ہیں سورج گہن میں ہے

فرقت میں دل جلاتا ہے شوق وصال یار
اک آگ سی لگی ہوئی آتش بدن میں ہے

ملتا جو نہیں یار تو ہم بھی نہیں ملتے — غیرت کا اب اپنے بھی تقاضا ہے تو یہ ہے
گہہ یاد صنم دل میں ہے گہہ یاد الٰہی — کعبہ ہے تو یہ ہے جو کلیسا ہے تو یہ ہے
معشوق دمے، و خانہ خالی و شب ماہ — عاشق کے لئے حاصل دنیا ہے تو یہ ہے
دل کے لئے ہے عشق تو دل عشق کی خاطر — مے ہے تو یہی ہے اور جو مینا ہے تو یہ ہے

ایذا میں روح ہے تن خانہ خراب سے
پائے سمند الجھا ہوا ہے رکاب سے
بیخود ہے یار دولت حسن شباب سے
سچ ہے زیادہ نشۂ زر ہے شراب سے
نازک خیال اب بھی ہیں موجود اے فلک
خالی رہا نہیں کبھی دریا حباب سے
سیر دروں سے کنہ حقیقت کھلی مجھے
باہر نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے
نافہمی اپنی کرتی ہے انسان کو ذلیل
مطعون خلق صوفی ہے حال خراب سے

اس بحر میں کھلاتی ہے غوطے مجھے قضا
ٹکرا کے پارہ پارہ ہو کشتی حباب سے
عمر دو روزہ ہو گئی اک حال پر بسر
خالی رہا زمانہ مرا انقلاب سے
آتش کو چن کے قتل کیا اس نے اسلئے
ہوتی ہے قدر شعر بلند انتخاب سے

کوئی اچھا نہیں ہوتا ہے بری چالوں سے
لب بام آکے کھڑے ہو نہ کھلے بالوں سے

تو اور ہم اے دوست تھے یکجان دو قالب
تھا غیر سوا اپنے جو تھا یار ہمیں تھے

اس بیاباں میں پیادہ مجھے لائی ہے قضا
شہسواروں کی جہاں گرد نہ پیدا ہووے
دل نہیں داغ ہے جسمیں نہیں کیفیت عشق
جسم بے روح ہے بے بادہ جو مینا ہووے

سر کاٹ کے کر دیجئے قاتل کے حوالے — ہمت مری کہتی ہے کہ احسان بلا لے

نادان نہ ہو عقل عطا کی ہے خدا نے — یوسف کی طرح تم کو کوئی بیچ نہ ڈالے

ہستی کی اسیری سے شرر سے ہیں سوا تنگ — چھوٹے تو ادھر پھر کے نہیں دیکھنے والے

سالک کو یہی جادہ سے آواز ہے آتی — پامال جو ہو راہ وہ منزل کی نکالے

مضمون ہے تو شمع رخ یار کا آتش
شاعر ہے اسے فکر کے سانچے میں جو ڈھالے

——— . . ⁂ . . ———

خون جگر سے پرورشِ شعر ہم نے کی — فرزند کا سلوک کیا خانہ زاد سے

~~~~ . . o . . ~~~~

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہے — زمیں یاں کی چہارم آسماں ہے

خدا پنہاں ہے عالم آشکارا — نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے

دل روشن ہے روشن گر کی منزل — یہ آئینہ سکندر کا مکاں ہے

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی — قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے؟

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ — قناعت بھی بہار بے خزاں ہے

بہت آتا ہے یاد اے صبر مسکیں — خدا خوش رکھے تجکو تو جہاں ہے

الٰہی ایک دل کس کس کو دوں میں — ہزاروں بت ہیں یاں ہندوستاں ہے

——— o ⁂ o ———

حسرت انجامِ جہانِ گذراں ہے غافل — [illegible] نہیں گلزار خزاں ہوتا ہے
~~~~

جذبۂ دل سے الٹتا ہے نقابِ رخِ یار　　پردۂ غیب کا احوال عیاں ہوتا ہے

خدا محفوظ رکھے دل کو اس افعیِ کاکل سے
نہیں ممکن سلامت چھوٹنا موذی کے چنگل سے
خدا پر رکھ نظر طالب اگر ہے دین و دنیا کا
یقیں ہے دولتِ کونین حاصل ہو توکل سے

فصلِ بہار آئی ہے دورِ شراب ہے　　قاضی و محتسب کا کلیجہ کباب ہے
زیرِ زمیں بھی چین کی صورت نہیں کوئی　　آسودگانِ خاک کی مٹی خراب ہے
فصلِ بہار آ کے خزاں بار ہا ہوئی　　انگور میں ہنوز ہمارے شراب ہے

نہیں معلوم ان آنکھوں کا ارادہ کیا ہے　　کچھ اشارت میں تو مژگاں نے کہا ابرو سے

اب کی بہار میں تو مجھے پار اتار دے　　کشتیٔ مے دو آبۂ امید و بیم سے
بے قدر ہے سخن جو سخن داں کوئی نہیں　　قدر اس گہر کی ہوتی ہے گوشِ فہیم سے

تمست ہوں نعمت مری حاضر ہے جو چاہے
کبابِ نرگسی ہے یا شراب ارغوانی ہے
نہیں بننے کا کسر سے اس بازارِ عالم میں
عداوت کی ہے ارزانی محبت کی گرانی ہے

کہاں تک آنکھوں میں سرخی شراب خواری سے
سفید مُو ہوئے باز آ سیاہ کاری سے

سبوئے غنچہ ہے معمور و جامِ گل لبریز
ٹپک رہی ہے شراب ابرِ نو بہاری سے

وصالِ شاہدِ مقصود ہو گا بعدِ فنا
وہ دلربا جو ملے گا تو جاں نثاری سے

حقیقتِ چمنِ دہر سے جو ہو آگاہ
گلِ مراد چُنے تو ہر اک کیاری سے

—o—

پیری سے مرا نوع دگر حال ہوا ہے
وہ قد جو الف سا تھا سو اب دال ہوا ہے

—o—

وا ہوئے ہرگز نہ وہ عقدے جو تھے تقدیر کے
سعی کرتے کرتے ناخن گھس گئے تدبیر کے

دولتِ دنیا سے آتشؔ ہم نے جب پھیری نگاہ
جس طرف آنکھ اُٹھ گئی تو دے لگے اکسیر کے

—o—

قصرِ تن سا بھی نہ دلچسپ کوئی گھر ہوگا
روحِ مہماں اسے کرتی ہے بمشکل خالی

جنگ جو یار کا اصلاح پر آیا نہ مزاج
عقل سے ہوتا ہے فی الواقعی جاہل خالی

دل کے بہلانے کو گلزار میں آنکلا ہوں
سر کو میرے نہ کرے شورِ عنادل خالی

روشنی حسن کی رکھے گی زمانہ روشن | شمع رویوں سے رہیگی نہ یہ محفل خالی
جام میں قطرۂ مے لب نہ مرے چھوڑینگے | مال کشتی کو کیا کرتے ہیں ساحل خالی

قیس و فرہاد سے دل دادہ ہزاروں آتشؔ
تیشہ بیکار رہے گا نہ سلاسل خالی

——۰ـ۰ـ۰ـ——

یہ اشارہ کرتی ہے غربت میں شمشیر قضا | کہہ لے کہنا ہو جو کچھ اے بے وطن کیا چاہیے
فکر رنگیں ہمکو دکھلاتی ہے گھر بیٹھے بہار | مثل بلبل نالہ کرنے کو چمن کیا چاہیے

——۰ـ۰ـ۰ـ——

ہم کیا کہیں کسی سے کیا ہے طریق اپنا | مذہب نہیں ہے کو ملت نہیں ہے کوئی
ہم شاعروں کا حلقہ حلقہ ہے عارفوں کا | نا آشنائے معنی صورت نہیں ہے کوئی
جاں سے عزیز دل کو رکھتا ہوں آدمی ہوں | کیونکر کہوں میں مجکو حسرت نہیں ہے کوئی

شہر بتاں ہے آتشؔ اللہ کو کرو یاد
کس کو پکارتے ہو حضرت نہیں ہے کوئی

——۰ـ۰ـ۰ـ——

بازار دہر میں تری منزل کہاں نہ تھی | یوسف نہ جسمیں ہو کوئی ایسی دوکاں نہ تھی
منزل ہی دور ہے جو یہ پہونچے نہیں ہنوز | دم لینے والی راہ میں عمر رواں نہ تھی
رہ جانا پیچھے جسم کا جاں سے عجب نہیں | کس کارواں کی گرد پس کارواں نہ تھی
افسوس کیا جوانی رفتہ کا کیجیے | وہ کون سی بہار تھی جسکو خزاں نہ تھی

——۰ـ۰ـ۰ـ۰ـ۰ـ——

لخت جگر کو کیوں کر مژگانِ تر سنبھالے
یہ شاخ وہ نہیں جو بارِ ثمر سنبھالے

دیوانہ ہو کے کوئی پھاڑا کرے گریباں
ممکن نہیں کہ دامن وہ بیخبر سنبھالے

ہر گام پر خوشی سے وارفتگی سی ہو گی
لانا جواب خط کو اے نامہ بر سنبھالے

———

تماشا گوشہ گیری دشتِ غربت کا دکھاتی ہے
وطن میں ہوں مگر مجکو ہیں یارانِ وطن بھولے

لحد میں جا کے بزم دہر پھر ہم کو نہ یاد آئی
مزہ پایا یہ خلوت میں کہ لطف انجمن بھولے

اٹھا پردہ دوئی کا شاہد توحید کے رخ سے
ہوئے ہم دم بخود ایسے کہ ساری ما و من بھولے

یہی اللہ سے آتش دعا ہے مرد مومن ہوں
حواسِ خمسہ زائل ہوں جو یاد پنجتن بھولے

———

اب ملاقات ہوئی ہے تو ملاقات رہے
نہ ملاقات تھی جب تک کہ ملاقات نہ تھی

غنچۂ گل کو نہ ہنسنا تھا تری صورت سے
چھوٹے سے منہ کی سزاوار بڑی بات نہ تھی

ابتدا سے تجھے موجود سمجھتا تھا میں
میرے تیرے کبھی پردے کی ملاقات نہ تھی

بے شعوروں نے نہ سمجھا تو نہ سمجھا آتش
نکتہ سنجوں کو لطیفہ تھی تری بات نہ تھی

———

ناز و ادا ہے تجھ سے دلآرام کے لئے
یہ جامہ قطع ہے ترے اندام کے لئے

وحشت میں کعبہ کو جو گیا کوئے یار سے
لتّے جنوں نے جامۂ احرام کے لئے

طفلی کے گریہ کا یہ کھلا حال وقت مرگ
آغاز ہی میں روتے تھے انجام کے لئے

ہر چند اپنا نامۂ عصیاں سیاہ ہو
ہوگا سفید صبح ہے ہر شام کے لئے

نامرد اور مرد میں اتنا ہی فرق ہے
وہ نان کے لئے مرے یہ نام کے لئے

دل میں سوائے یار جگہ ہو نہ غیر کی
خلوت سرائے خاص نہیں عام کے لئے

قفل در قبول نہ کھولے بعید ہے
انساں کے پاس دست دعا کلید ہے

نقصانِ جان بھی راہ خدا میں مفید ہے
مارا گیا جہاد میں جو وہ شہید ہے

یہ ترک کردہ ہے شہ مرداں سے پیر کی
دنیا کا خواستگار جو ہے زن مرید ہے

افطاری جام مے سحری ساغر شراب
مجھ رند کو شب رمضاں روز عید ہے

لگ چل نہ گل رخوں سے نسیم چمن کی طرح
بوئے حسین ان میں تو خوئے یزید ہے

تحسیں سمجھ اسے جو یہ نفریں کرے تجھے
انصاف ان قریبوں سے آتش بعید ہے

ہر چشم کو دیدار ترا مد نظر ہے
جو گوش ہے مقصود اسے تیری خبر ہے

بیکار بنائے نہیں آنکھوں کے پیالے
دیدار کا سائل ہو جو یار آئے نظر ہے

قالب کی طرح روح دکھائی نہیں دیتی
پنہاں یہ مسافر ہے عیاں گرد سفر ہے

یہ صدمے اٹھائے شب جدائی میں کسی کی
دو قطرہ خوں ہیں نہ تو دل ہے نہ جگر ہے

کھول آنکھ کو اٹھ خواب سے بیدار ہو غافل
حاضر لیئے آئینہ خورشید سحر ہے
کس گل کے ہوا خواہوں میں ہے آتش مسکیں
کس نور کے بکے کے لیئے خاک بسر ہے

مجکو حیرت ہے حسینوں سے بچی ہے کیونکر
بادشاہوں کے لئے چینِ جبیں تھوڑی سی
میہمانوں میں ہیں اس خوان فلک کے ہم بھی
اپنی قسمت کی بھی ہے نان جویں تھوڑی سی
چار دن اپنے محبوں سے محبت کرتے
لذت عشق بھی چکھتے یہ حسیں تھوڑی سی
اے جنوں تنگ نہ ہو وسعت کونین کو دیکھ
یہیں تھوڑی سی جگہ ہے نہ وہیں تھوڑی سی
گوش زد ہو وہ کہ جو وہم و گماں میں بھی نہ ہو
سنیں اپنی بھی جو ارباب یقیں تھوڑی سی
مدت العمر ہے ایک چشم زدن کا وقفہ
کرلیں ہو حق، یہ خرابات نشیں تھوڑی سی
فکر رنگیں سے لگا اسمیں بھی اک باغ آتش
ربعِ مسکوں سے الگ ہے یہ زمیں تھوڑی سی

موت کو سمجھے رہیں گبر و مسلماں آئی
روح قالب میں ہے دو روز کو مہماں آئی
گلشنِ دہر بھی ہے کوئی سرائے ماتم
شبنم اس باغ میں جب آئی تو گریاں آئی

غم نہیں ثابت قدم کو گو جہاں گردش میں ہے
قطب کو جنبش نہیں ہے آسماں گردش میں ہے
حیف ہے بے نشہ اس میخانہ میں انساں رہے
روز و شب جام مہ و خورشیدیاں گردش میں ہے
پار اترے کیا سلامت بحر الفت سے کوئی
سیکڑوں گرداب اسکے درمیاں گردش میں ہے

دائرے میں عشق کے جس نے کہ مارا ہے قدم
صفحہ ہستی میں وہ پرکارساں گردش میں ہے

جستجو میں تیرے انجم کی طرح اے ماہ حسن
ذرہ ذرہ ہو کے خاک عاشقاں گردش میں ہے

گنبد گردوں سے نکل جس طرح سے ہو سکے
ڈر ہے گر پڑنے کا آتش یہ مکاں گردش میں ہے

ماسوا تیرے نہیں رہنے کا کچھ یا باقی
جو ہے فانی ہے تیری ذات ہے الّا باقی

نوجوانی کی ہے پیری میں تمنا باقی
موسم گل کے گئے پر بھی ہے سودا باقی

میری تعظیم نے مجلس سے نکالا مجکو
اٹھتے اٹھتے نہ رہی ہٹنے کی جا باقی

عشق کی شرط ادا کرتے ہیں انشاءاللہ
کوئی دن ہے یہ محبت کا تقاضا باقی

قامت یار سے کس دن ہو قیامت دیکھیں
آج تک تو ہے وہی وعدۂ فردا باقی

محفل آباد ہے منہ پر سے نقاب الٹو تو
دیکھ لے گا کوئی ہووے جو بینا باقی

چھیڑ بیٹھے جو ہم افسانۂ گیسوئے دراز
صبح ہو گی نہ رہے گی شب یلدا باقی

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقام تو نظر آیا مجھے

راز دل افشانہ ہوا ے دل کہے رکھتا ہوں میں
پھوڑ ڈالی آنکھ اگر آنسو نظر آیا مجھے

دیدۂ یعقوب سے دیکھا جو عالم کیطرف
یوسف اس بازار میں ہر سو نظر آیا مجھے

بے تصنع اسکو سمجھا میں نے تیغ بے نیام
جب ترا بے آستیں بازو نظر آیا مجھے

کیا کہئے کہ ہے سوزشِ داغِ جگر ایسی
سنتا نہیں وہ غیرتِ شمس و قمر ایسی
مشکل ہوئی ہے روح کو قالب سے جدائی
چھٹتی ہی نہیں پٹی ہے گرد سفر ایسی
دنیا کی نہ ہے فکر نہ عقبےٰ کا تردد
آتش کہو آئی ہے طبیعت کدھر ایسی

دو ساغرِ شراب ہیں دو چشم مست یار
گردن مثال گردنِ مینا بلند ہے
پوشاک سرخ پہنے ہیں وہ بام پر کھڑے
اپنی نظر میں طور سے شعلہ بلند ہے
آتش یہ جان لے جو سرِ مو سفید ہو
شب ہے اخیر صبح کا تارا بلند ہے

سنگِ در پر کسی محبوب کے دے ٹکونگا
بد دماغی جو یہی ہے تو ہوا سر ٹکڑے
نعمتِ فقر میں بھی خو نہیں تنہا خوری
بانٹ کھاتا ہوں جو موتے ہیں میسر ٹکڑے
سر فرہاد کے تیشہ سے یہ آتی ہے صدا
کھائے یہ چوٹ جو پتھر تو ہو پتھر ٹکڑے

صاحب ظرف جو ہوتا نہ ہمارے دل سا
دو جہاں میں نہ محبت کی سمائی ہوتی
سہل چھٹنا نہیں اس راحتِ جان کا آتش
روح و قالب میں ہے مشکل سے جدائی ہوتی

دن بسر ہوتا ہے یوں سودے میں کوئے یار کے
دھوپ سے اٹھے تو بیٹھے سائے میں دیوار کے

چھوڑ کر ہم نے امیری، کی فقیری اختیار
بوریئے پر بیٹھے ہیں قالیں کو ٹھوکر مار کے

چشم وحدت بیں سے لازم ہے تماشائے چمن
خار و گل دونوں پروردہ ہیں گلزار کے

کس طرف بھجوائے ہمکو دیکھئے سلطانِ عشق
کوہ و صحرا دو علاقے ہیں یہ اس سرکار کے

ہمکو در پردہ محبت، غائبانہ عشق ہے
لن ترانی ان سے ہو سائل جو ہوں دیدار کے

کام ہے اللہ سے، عالم سے کچھ مطلب نہیں
مشتری یوسف کے ہیں خواہاں نہیں بازار کے

حسن کا نظارہ وہ نعمت نہیں جو دل بھرے
سیر ہونے کے نہیں بھوکے ترے دیدار کے

واقعہ منصور کا سن کر کھلا ہم کو یہ راز
حق کہے سے آدمی ہوتا ہے قابل دار کے

کعبۂ مقصود کا کس دن نہیں کرتا طواف
گرد پھرتا ہوں میں آتش روز کوئے یار کے

——۔۲۰۵۰۲۔——

نافہمی اپنی پردہ ہے دیدار کے لئے
ورنہ کوئی نقاب نہیں یار کے لئے
قول اپنا ہے یہ سبحہ و زنار کے لئے
دو پھندے ہیں یہ کافر و دیندار کیلئے
دو آنکھیں چہرے پر نہیں تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کیلئے
بلبل ہی کو بہار کے جانے کا غم نہیں
ہر برگ ہاتھ ملتا ہے گلزار کے لئے

———:o*o:———

ٹھہرے نہ پھر جو راہ میں تیری نکل چلے
شل ہو گئے جو پانوں تو ہم سر کے بل چلے
اٹھتے ہی تیرے ہونے لگے منتشر حواس
دو کوہ تھے جو صبر و تحمل وہ ٹل چلے

———:o:———

رہتی ہے فکر تازہ مضامیں کی منتظر
اس گھر میں آنکلتے ہیں مہماں نئے نئے
قیدِ نقاب و قیدِ حیا و حجابِ شرم
یوسف ہمارا رکھتا ہے زنداں نئے نئے

———o———

کچھ تو ہیں حقیقتِ شمس و قمر کھلے
کس کج کلہ کے عشق میں پھرتے ہیں سر کھلے
انصاف کو ہیں دیدۂ اہل نظر کھلے
پردہ اٹھا کہ پردۂ شمس و قمر کھلے
کٹ جائے وہ زباں نہ ہو جس سے دعائے خیر
پھوٹے وہ آنکھ جو کہ نہ وقت سحر کھلے
کوتہ ہے اسقدر مرے قد پر ردائے عیش
ڈھانکوں جو پانوں کو تو یقیں ہے کہ سر کھلے
پاپوش ہم نے ماری ہے دستار و تاج پر
سودائے زلف یار میں رہتے ہیں سر کھلے
مطلب نہ سرنوشت کا سمجھا تو شکر کر
دیوانہ ہو جو حال قضا و قدر کھلے

———o*o———

دیوان دوم

غرورِ حسن نے نازاں کیا انھیں ورنہ　　نیاز نامہ مشرف جواب سے ہوتا
نظارہ بازیٔ بحرِ جہاں ہے شغل اپنا　　وہ ہم بھی کرتے ہیں جو حباب سے ہوتا

—— ○ ——

نہ پوچھ علم محبت سے کیا کھُلا تجکو　　یقیں ہوا وہ کہ جسکا نہ تھا گماں ہوتا
خدا کے خوان کرم سے ہو سیر جو جا ہے　　نہ مُہر ہوتی تہ ہے اس پر نہ ہے نشاں ہوتا
صدا جرس کی ہے غنچوں کے کھِلنے سے آتی　　روانہ نکہتِ گل کا ہے کارواں ہوتا

—— ○ ——

کام رہنے کا نہیں بند اپنا　　بندہ پرور ہے خداوند اپنا
دولت فقر سے رکھتا ہے غنی
ہم کو آتش دل خرسند اپنا

—— * ——

ساقی زلال دُر دھو توفیق ہو سو دے　　مستوں کو تیرے ہوش کہاں امتیاز کا
سودائے عشق میں نہ رہی شان خواجگی　　محمود بندہ ہو گیا حسنِ ایاز کا
ساحل سمجھتے ہیں تہ دریائے عشق کو　　طوفان ناخدا ہے ہمارے جہاز کا

آتش جگہ نہ دل میں ہوا و ہوس کو ہو
کم زہر سے اثر نہیں اس شہدِ آز کا

سچ ہے جو جیسا کرے ویسا ہی آجاتا ہے پیش
عشق کو بدنام کر کے حسن رسوا ہو گیا

ہر چند حالتِ دل ناگفتنی تھی لیکن رو کر کہا کچھ اس سے جو اہلِ درد پایا
میں بھاگتا ہوں دنیا آ آ کے ہے پلٹتی
آتش مجھی کو اس نے شاید کہ مرد پایا

غزل جو ہم سے وہ محبوب نکتہ داں سنتا زمینِ شعر کا افسانہ آسماں سنتا
نہ پوچھ کان میں کیا کیا کہا ہے کس کس نے پھرا ہوں تیری خبر میں کہاں کہاں سنتا
فسانۂ رخِ رنگینِ یار کیا کہتے چمن کو آگ لگاتا جو باغباں سنتا

دکھائی دیتی ہیں آنکھوں کو صورتیں ہر سو یہ گنبدِ فلک آئینے کا مکاں نکلا
کرے گا کیا کوئی دنیا میں سرکشی آتش
یہ وہ مقام ہے جھک کر ہے آسماں نکلا

تو روشنیٔ عالمِ ایجاد ہو گیا ویرانہ تیرے جلوے سے آباد ہو گیا

حافظ رخِ کتابیِ محبوب کے ہیں ہم　　یہ احسن القصص ہے ہمیں یاد ہو گیا

دیدۂ عارف سے جب دیکھا تو یہ روشن ہوا　　مظہرِ نورِ الٰہی حسنِ مشتِ خاک تھا
چشمِ نامحرم کو برقِ حسن کر دیتی تھی بند　　دامنِ عصمت ترا آلودگی سے پاک تھا
رات بھر تھا چشمِ غول آنکھوں میں اپنے ہر چراغ　　شہر بھی بے یار اک صحرائے وحشت ناک تھا

عشق کے سودے سے پہلے دردِ سر کوئی نہ تھا
داغِ دل خنداں زنِ زخمِ جگر کوئی نہ تھا
غیر یار آنکھوں میں اپنی جلوہ گر کوئی نہ تھا
مردمانِ چشم سا اہلِ نظر کوئی نہ تھا
عہدِ پیری میں جوانی تھی نہ اس کے ولولے
محفلِ شب میں سے ہنگامِ سحر کوئی نہ تھا
معرکہ میں عشق کے سر ہاتھ پر رکھے ہوئے
واپسیں دم تک تو مجھ سے پیشتر کوئی نہ تھا
لے چلے ہستی سے داغِ عشق آتش شکر ہے
منزلِ ملکِ عدم کا ہم سفر کوئی نہ تھا

ساقی کی نگاہوں نے مرے ہوش اڑائے　　آنکھوں سے دیا جامِ مے بے خبری کا

کیا جائے ادب ہے ترے کوچہ کی زمیں پہ — پایا نہ کہیں نقش قدم رہ گذری کا
طے مرحلۂ عشق خدا چاہے تو ہووے — اس راہ میں توشہ ہے توکل سفری کا
پیری میں رہا روشنیِ فکر سے عالم — خورشید لب بام چراغ سحری کا

سنبل میں تری زلف کا عالم نہیں ہوتا — یہ پیچ نہیں ہوتے ہیں یہ خم نہیں ہوتا
کعبہ میں رخ یار کا عالم نہیں ہوتا — محراب میں ان ابروؤں کا خم نہیں ہوتا
اک جام میں کھلتا ہے طلسمات جہاں کا — مستی میں کسے مرتبہ جم نہیں ہوتا
نشتر کیطرح چھیڑتی رہتی ہیں وہ مژگاں — کس چاہنے والے کا لہو کم نہیں ہوتا
مقبول ہے جو ذرہ کہ درگاہ کو تیرے — وہ ملتفتِ نیّرِ اعظم نہیں ہوتا
افسوس ہے انساں نہ ہو علم کا جویا — وہ مال ہے یہ صرف سے جو کم نہیں ہوتا
اس باغ کے ناظر نگہ پاک سے ہیں ہم — گل جسمیں کہ آلودۂ شبنم نہیں ہوتا
ثابتِ قدم فقر کو ہے نفس کشی شرط — بے دیو کے مارے ہوئے رستم نہیں ہوتا

تیری جو یاد اے دل خواہ بھولا — باللہ بھولا واللہ بھولا
زلفِ رسا کو سمجھا جو افعی — چوکا وہ، قصہ کوتاہ بھولا
دیکھے سے تیرا روئے منور — ہم مہر بھولا ہم ماہ بھولا
محروم رکھا ساقی نے ہم کو — اپنے گدا کو جم جاہ بھولا
شرط وفا کی کس بے وفا سے — آتش سا عارف آگاہ بھولا

مشتاق اسقدر ہوں خدا کے حضور کا
سجدہ کروں جو بت بھی ملے طور کا

دکھلا کے جلوہ آنکھوں نے اک شمع نور کا
گل کر دیا چراغ ہمارے شعور کا

کرتا ہے نغمہ صورتِ داؤد عندلیب
عالم ہوا ہے دفترِ گل پر زبور کا

چار عنصر چار رہ ہیں منتشر ی ہوش و حواس
اٹھ گئے تم کیا دگرگوں رنگ محفل ہو گیا

حسن معنی نے کیا صورت سے آدم کے ظہور
سجدہ گاہ قدسیاں یہ کعبۂ گل ہو گیا

نقشِ صورت کو مٹا کر آشنا معنی کا ہو
قطرہ بھی دریا ہے جو دریا سے واصل ہو گیا

قطع ہو جاویگی گام چند میں سختیٔ راہ
خضر ہے جب آ گے آ گے شوق منزل ہو گیا

شاعروں میں کوئی آتش سا نہ ہو گا حسن دوست
خوبصورت پر پڑی جب آنکھ، مائل ہو گیا

باراں کی طرح لطف و کرم عام کئے جا
آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ نام کئے جا

اے نرگس خود کام ملے خاک میں کوئی
تو پیروی گردشِ ایام کئے جا

کاکل کا اشارہ یہی اس رخ سے ہے رہتا
مشتاق سے اپنے سحر و شام کئے جا

طریق عشق میں مارا پڑا، جو دل بھڑکا
یہی وہ راہ ہے جسمیں ہے جان کا کھٹکا

شراب پینے کا کیا ذکر یار بے تیرے
پیا جو پانی بھی ہم نے تو حلق میں اٹکا

کبھی تو ہو گا ہمارے بھی یار پہلو میں
کبھی تو قصد کرے گا زمانہ کروٹ کا

نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کو
ہمیشہ خواب ہی دیکھا کئے چھپر کھٹ کا

عجیب بھول بھلیاں ہے غفلت ہستی — جسے کہ راہ ہوئی اس سے خوب ہی بھٹکا
عجب نہیں ہے جو سودا ہو شعر گوئی سے
خراب کرتا ہے آتش زبان کا چٹکا

عزیز روح کے دم تک ہے کالبد گل کا — خراب حال ہے بے مغز جب ہوا چھلکا
ہمیشہ یار رہے پیش چشم عالم میں — نہ منہ دکھائے خدا بے چراغ محفل کا
گئی ہے روح بدن میں سے وجد کرتی ہوئی — عجیب حال ہوا ہے تمہارے بسمل کا
کھلا یہ ہم کو دم نزع کے تنفس سے — کشاں کشاں لئے جاتا ہے شوق منزل کا
خدا سے مانگ جو کچھ مانگتا ہے اے آتش
کریم رد نہیں کرتا سوال سائل کا

رعد کا شور ہو موردں کی صدا سے پیدا — جھومتا ابر بہاری ہو ہوا سے پیدا
نہ تو بھوکے ہوئے تھے ہم نہ تو پیاسے پیدا — ہو گئے روگ یہ دنیا کی ہوا سے پیدا
چاہیئے اشک بھی ہوں نالہ کے پیچھے پیچھے — آمد قافلہ ہے بانگ درا سے پیدا
لالہ و گل ہیں زمیں پر تو فلک پر ہے شفق — رنگ کیا کیا ہوئے خون شہدا سے پیدا
پا برہنہ سر عریاں و تن گرد آلود — ہے کرامات گدا حال گدا سے پیدا

مژگان چشم یار کی تعریف کیا کروں — جانکاہ، جاں خراش، دل آزار، دلفریب
دنیا میں آکے جی نہیں جانے کو چاہتا — دلکش ہر ایک دوکان ہے، بازار دلفریب

سودائے عشق کے لئے ہے خوش جمال شرط
یہ جنس چاہتی ہے خریدار دلفریب

زیر زمیں ہے گاہ گہے آسمان پر
عقل حکیم ہے نہیں رفتار آفتاب

جب دیکھئے کچھ اور ہی عالم ہے تمہارا
ہر بار عجب رنگ ہے ہر بار عجب روپ

آتش یہ شاعروں کا فقط اختراع ہے
رخسار گنج ہیں، نہ تو گیسوئے یار سانپ

شاعر ہوں یہی عرصۂ محشر میں کہوں گا
کیا مصرعۂ برجستہ ہے بالائے قیامت
رحمت سے تیری ڈر نہیں ہر چند کہ ہووے
فردائے قیامت پس فردائے قیامت
کشتے ہیں محبت کے ترے زندۂ جاوید
مردوں کو مبارک ہو تمنائے قیامت

صفائے قلب سے ہوتا ہے روشن
اس آئینہ کو ہے مطلوب صورت
ہلا دیں دل نہ کیوں کر شعر آتش
صفا بندش ہے معنی خوبصورت

دل کو ہوئے ہیں معنی توحید منکشف
آنکھوں کو کچھ نظر نہیں آتا سوائے دوست

دولتِ حسن کی بھی ہے کیا لوٹ
آنکھوں کو پڑ گئی ہے لوٹا لوٹ

سامنے تیرے جو پڑے اے ترک
اس میں کعبہ ہو یا کلیسا، لوٹ

صرف للہ مال دنیا کر
مرد ہے کچھ تو بہرِ عقبا لوٹ

صاف دل ہو تو جلوہ گر ہو یار
آئینہ ہو تو ہو تماشا لوٹ

—————

کہاں اب طاقت صبر و تحمل
یہ دولت ہو چکی ہے بیشتر خرج

جنون عشق ہے غارت گر ہوش
کرے کیا عقل مندی یاں بکثر خرج

چلے دنیا سے داغ عشق لیکر
یہ توشہ ہے یہ ہے بہر سفر خرج

ملا جو اس کو سمجھے من و سلویٰ
توکل پر رہا شام و سحر خرج

حسینوں نے بھی خوب آتش کو لوٹا
رہا فرمایشوں سے خرج پر خرج

—————

گوش عارف سے سنے تو تو ہر اک تبر سے ہے
نعرۂ فاعبروا، یا اولی الابصار، بلند

—————

مول اک نگاہ ہے جو ہو دلِ یار کی پسند
بڑھ کر جوے تو آگے خریدار کی پسند

ہوتا ہے صبر فرقت جاناں میں ناگوار
کڑوی دوا نہیں دلِ بیمار کی پسند

یوسف کا مول دے کے ابھی لے جو ہاتھ آئے
بنت العنب ہے آتش میخوار کی پسند

آج کل سے کچھ میں دیوانہ نہیں
سر نہ تھا جب سے کہ ہے سودائے یار
مصلحت ہے واسطے اپنے وہی
جو رضائے یار ہے جو رائے یار
ساقی و مے شیشہ و ساغر ہیں سب
خالی ہے یادش بخیر ایک جائے یار
خود گمی بے وجہ آتش کی نہیں
یہ بھی ہے میری طرح جویائے یار

گل سننے کو نالے ہمہ تن، گوش ہیں آتش
بلبل نے اڑایا ہے تمھارا مگر انداز

ایک سے ایک ہے تماشا رنگ
دیدنی ہے جہانِ رنگا رنگ
فکر رنگیں نے تیری اے آتش
کیسے کیسے کئے ہیں پیدا رنگ

دکھلائے گی کیا شام غریباں کے شگوفے
ہر چند کہ غنچوں کو کرے صبحِ وطن پھول

محبت کوڑیوں کے ہو اگر مول
بنی آدم نہ لے یہ دردِ سر مول
عجب دولت ہے یہ احسان، اس سے
بشر کو بھی ہے لے لیتا بشر مول
بھروسا زندگانی کا نہیں کچھ
کفن لے رکھے اے آتش بشر مول

ڈھلتی ہے عاشقانہ تمہاری غزل تمام
چھانے ہوئے ہیں کوچۂ فرنگی محل تمام

ڈھونڈھا ہے جس جگہ وہیں پایا ہے آپ کو
اس ششش جہت میں ہیں تمہارے محل تمام

دل کو لگا ہے روگ محبت کا بے طرح
جان آج بچ گئی تو یقیں ہے کہ کل تمام

آتش کی فکر کھودتی ہے اے زمین شعر
گنج نہاں ہیں جتنے کہ تجھ میں اُگل تمام

—.ـ.ـ.—

ہوتا ہے سوز عشق سے جل جل کے دل تمام
کرتی ہے روح مرحلہ آب و گل تمام

—.ـ.ـ.—

تم خفا ہم سے ہو ہم تم سے نہیں آزردہ
ہم سے رنج تمہیں تم سے ہمیں رنج نہیں

غزلِ خواجہ ہے مطلب کو ہو تیغ اے آتش
نالۂ بے اثرِ مرغ نواسنج نہیں

—.ـ.ـ.—

دنیا کو ٹھوکتے نہیں مردان راہ عشق
نامرد رکھیں آنکھوں تلے اس پیرزن کے پاؤں

—.ـ.ـ.—

آرزو ہے مجھے، سجدے سحر و شام کریں
ہمہ تن ہو کے زباں ورد ترا نام کریں

—.ـ.ـ.—

کششِ دل حب کا اثر رکھتی ہے
چاہیئے خود وہ ملاقات کا پیغام کریں

—.ـ.*.ـ.—

نہیں روزن جو قصر یار میں پروا نہیں ہمکو
نگاہ شوق رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں

—

داغ غمِ عشق کو دل میں جگہ دیجئے
ڈھونڈھئے لے کر چراغ شاہدِ مقصود کو
پردہ غفلت اٹھا پیش نظر یار ہے
دیر و حرم میں نہ جا ڈھونڈھنے موجود کو

پوچھی کسی نے محکمۂ حشر میں نہ بات
ٹھہرے نہ ہم حساب میں روز شمار کچھ

سر میں ہوائے کوچہ دلدار لے چلے
باغ جہاں سے حسرت گلزار لے چلے
مقصود دل ہے قلزم خوں میں شناوری
جس گھاٹ چاہے یار کی تلوار لے چلے
بولی یہ روح پھینک کے پشتارہ جسم کا
بھاری ہے بوجھ کون یہ بیگار لے چلے
ایسی رسائی کیجئے پیدا کہ کھینچ کر
خلوت میں انجمن سے ہمیں یار لے چلے
سایہ نے دی ڈھئی جو تیرے آستان پر
در سے اٹھا کے ہم پس دیوار لے چلے
داغ فراق و حسرتِ دیدار و شوق وصل
دنیا سے ہم یہ عاقبت کار لے چلے
تم سیر کر کے کیا پھرے، اندھیر ہو گیا
بازار آ کے رونق بازار لے چلے
حاصل ہوا نہ خاک بھی آپس کی نزع سے
دلمیں غبار کافر و دیندار لے چلے
آتش جرس کے نالوں کی پھر ہو نہ احتیاج
ہم کو جو ساتھ قافلہ سالار لے چلے

اسیر لطف و کرم کی رہائی مشکل ہے
نگیں کو نام سے تیرے جدائی مشکل ہے
بہت سی دیکھیں ہیں خم دار ہم نے تلواریں
تمہاری ابرؤوں کی کج ادائی مشکل ہے

وہ اتحاد نہیں ہے کہ جسمیں فرق پڑے
ہماری اور تمہاری جدائی مشکل ہے

اک حال پر کبھی نہیں اسکو قیام ہے
دنیا کا کارخانہ طلسمی مقام ہے

مطلب ہے دفتر گل ولالہ میں مختصر
دو دن کی سیر میں یہ گلستاں تمام ہے

ہم چشم تر کو سامنے کرتے ہیں ابر کے
تم ہنس پڑو تو برق کا قصہ تمام ہے

بے معنی ہے وہ عشق کہ جسمیں کشش نہیں
دلچسپ ہو نہ حسن تو صورت حرام ہے

نکلے بخار دل جو زباں سے عجب نہیں
چھلکے تو کیا بعید ہے لبریز جام ہے

اکدن حضور قلب سے ہوئی نہیں ادا
زاہد تری نماز کو میر اسلام ہے

بت خانہ کھود ڈالئے مسجد کو ڈھایئے
دل کو نہ توڑیئے یہ خدا کا مقام ہے

خم میں جوش مے سے مجکو یہ صدا ہے آرہی
ظرف مستی ہو تو کیفیت اٹھایا چاہیئے

حال دل کچھ کچھ کہا ہی تھے تو بولا سنکے یار
بس عبارت ہو چکی مطلب پر آیا چاہیئے

رنگ زرد و چشم تر سے کیجئے دعوائے عشق
دو گواہ حال اس قصہ کے لایا چاہیئے

دل بہت تنگ رہا کرتا ہے
رنگ بے رنگ رہا کرتا ہے

صلح کی دل سے ہیں یاں مصلحتیں
واں سر جنگ رہا کرتا ہے

گفتنی حال نہیں ہے اپنا
کچھ عجب ڈھنگ رہا کرتا ہے

بندش حیثیت سے تری آتش
قافیہ تنگ رہا کرتا ہے

ناکسوں سے اہل عزت کو ہے لازم احتراز
میل تانبے کا ہوا جس سیم و زر میں داغ ہے
اشتیاق گور میں دیتی ہے ایذا طول عمر
منزل مقصود کی دوری سفر میں داغ ہے
ناگوار اپنے سوا ہے یار دل کو دخل غیر
سایہ کا بھی ساتھ بتر ہے رہگذر میں داغ ہے
عیب شاعر کو لگا دیتا ہے آتش نقص شعر
داغ جب پھل میں لگا ہیں شجر میں داغ ہے

خال مشکیں کو ترے کرتے ہیں فتنے سجدے
عنبریں گیسوؤں کے گرد بلا پھرتی ہے
خاک چھنوا رہی ہے کوچہ قاتل کی تلاش
ساتھ ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے
کج نگہ تو نے تو کی ہم سے کہے رکھتے ہیں
آنکھ اپنی بھی صنم سوئے خدا پھرتی ہے
نشۂ مے نے نقاب رخ زیبا الٹا
ٹھوکریں کھاتی ان آنکھوں کی حیا پھرتی ہے
اپنے جامہ سے ہوں ہیں میکش مفلس باہر
رہن ہوتی ہوئی دستار و قبا پھرتی ہے
صبح محشر کے سوا صبح شب ہجر نہیں
یہ بلا وہ نہیں آتش جو بلا پھرتی ہے

نگاہیں مردم دیدہ کو ہر دم یہ سمجھاتی ہیں
ملے تو سے جتنی دولت دیدار بہتر ہے
بہار بے خزاں ایسی نہیں کوئی چمن رکھتا
خدا جو فکر رنگیں دے تو یہ گلزار بہتر ہے

عناب لب کا اپنے مزہ کچھ نہ پوچھئے
کس درد کے ہیں آپ دوا کچھ نہ پوچھئے

ناز و نیاز عاشق و معشوق کیا کہوں
عجز و غرور شاہ و گدا کچھ نہ پوچھئے

آئینہ لے کے کیجئے اپنا مشاہدہ
ہم سے سلوک شرم و حیا کچھ نہ پوچھئے

ناگفتنی ہے عشق بتاں کا معاملہ
ہر حال میں ہے شکر خدا کچھ نہ پوچھئے

آتش گناہ عشق کی تعزیر کیا کہوں
مشفق جو کچھ ہے اسکی سزا کچھ نہ پوچھئے

زندے وہی ہیں جو کہ ہیں تم پر مرے ہوئے
باقی جو ہیں سو قبر میں مردے بھرے ہوئے

مست الست قلزم ہستی میں آئے ہیں
مثل حباب اپنا پیالہ بھرے ہوئے

لکھے گئے بیاضوں میں اشعار انتخاب
رائج رہے وہی کہ جو سکے کھرے ہوئے

دو دن کی زندگی میں رہے ہم مرے ہوئے
جوش جنوں نے زرد کیا جب ہرے ہوئے

ناقوس میں سے آئی صدائے ہو الغفور
ہم بتکدے گئے جو خدا سے ڈرے ہوئے

کہتے ہیں ذکر لیلی و مجنوں جو چھیڑیئے
چپ رہئے بس گور کے مردے اکھیڑیئے

خوشحال ہیں مٹا کے مجھے ہفت آسماں
یوسف کو کھا کے ہو گئے ہیں سیر بھیڑیئے

ساقی ہے مے ہے یار ہے بزم نشاط ہے
چھیڑے جواب نہ ساز تو مطرب کو چھیڑیئے

تدبیر سے تو کام نہ تقدیر کا ہوا
تکیہ خدا پہ کیجئے دروازہ بھیڑیئے

گئی ہے دیر سے ابتک نہیں پھری شاید
درِ قبول کے اوپر ڈھٹی دعا لے دی

کفن کی فکر ہمارے لئے بھی واجب ہے
نقاب کی جو تمھیں مشورت حیا نے دی

دمِ اخیر تصور بندھا ترے رخ کا
طرف کو کعبہ کی کروٹ مجھے قضا نے دی

جہاں سے حسرت منزل کا داغ لیکے گیا
تمہاری راہ میں جان ایک شکستہ پا نے دی

گھورتی ہے تم کو نرگس آنکھ پھوڑا چاہیئے
گل بہت ہنستے ہیں کان انکے مروڑا چاہیئے

یہ صدا آتی ہے رفتار سمند عمر سے
وہ بھی گھوڑا ہے کوئی جسکو کہ کوڑا چاہیئے

بگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گذری
جو اشک آنکھوں میں آتا ہے سو بیتابانہ آتا ہے

بگولے کی طرح کس کس خوشی سے خاک اُڑاتا ہوں
تلاشِ گنج میں جو سامنے ویرانہ آتا ہے

طلب دنیا کو کرکے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیالِ آبروے ہمتِ مردانہ آتا ہے

ہمیشہ فکر سے یاں عاشقانہ شعر ڈھلتے ہیں
زباں کو اپنی بس اک حسن کا افسانہ آتا ہے

تماشا گاہ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کسکو
کسے اس انجمن میں یاد خلوت خانہ آتا ہے

زیارت ہو گی کعبہ کی یہ ہی تعبیر ہے اس کی
کئی شب سے ہمارے خواب میں بتخانہ آتا ہے

عتاب و لطف جو فرماؤ ہر صورت سے راضی ہیں
شکایت سے نہیں واقف ہمیں شکرانہ آتا ہے

خدا کا گھر ہے بتخانہ ہمارا دل نہیں آتش
مقام آشنا ہے یاں نہیں بیگانہ آتا ہے

قدسی نگاہ لطف کے امیدوار ہیں — آنکھیں تو سوئے عالم بالا اٹھائیے
اب کی بہار میں جو ہمیں لے چلے جنوں — چن چن کے داغ لالہ صحرا اٹھائیے
مفلس ہوں لاکھ پر یہ ہی دلکو بندھی ہے دھن — یوسف کو قرض لے کے تقاضا اٹھائیے
سختی راہ کھینچئے منزل شوق میں — آرام کی تلاش میں ایذا اٹھائیے
فصل بہار آئی پیو صوفیو شراب — بس ہو چکی نماز مصلا اٹھائیے

دہن پر ہیں انکے گماں کیسے کیسے — کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
تمہارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں گل ولالہ و ارغواں کیسے کیسے
بہار آئی ہے نشہ میں جھومتے ہیں مریدان پیر مغاں کیسے کیسے
عجب کیا چھٹا روح سے جامۂ تن لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے
تپ ہجر کی کاہشوں نے کئے ہیں جدا پوست سے استخواں کیسے کیسے
نہ مڑ کر بھی بیدرد قاتل نے دیکھا تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے
نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
بہار گلستاں کی ہے آمد آمد خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے
توجہ نے تیری ہمارے مسیحا توانا کئے ناتواں کیسے کیسے
دل و دیدہ اہل عالم میں گھر ہے تمہارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے
غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
تری کلک قدرت کے قربان آنکھیں دکھائے ہیں خوش رو جواں کیسے کیسے
کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

چپ ہو کیوں کچھ منہ سے فرماؤ خدا کے واسطے
آدمی سے بت نہ بن جاؤ خدا کے واسطے
جھومتی زلفیں تو ہیں کالی گھٹا کی طرح سے
ہنس پڑو بجلی بھی چمکاؤ خدا کے واسطے

چلا وہ راہ جو سالک کے پیش پا آئی
ٹھہر گیا جو کہیں بوئے آشنا آئی

کشتہ ہم بھی تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

کشش عشق میں بارے اثر اتنا تو ہوا
پھر کھڑے ہوتے ہیں منہ پھیر کے چلنے والے

آئینہ رکھ کے کیا ہے جو کبھی تم نے بناؤ
خاک میں مل گئے ہیں دیکھ کے جلنے والے

گوش زد ہو تو کہیں کوس سفر کی آواز
چل کھڑے ہونگے کمر باندھ کے چلنے والے

باغ عالم میں یہی اپنی دعا ہے ہر صبح
رہیں سرسبز شجر پھولنے پھلنے والے

ان سے کہدو نہیں آہستہ جو رکھتے دو گام
گر بھی پڑتے ہیں بہت دوڑ کے چلنے والے

بس قلم صفحہ ہستی سے اٹھا اے آتش
ڈھل چکے شعر جو تھے فکر سے ڈھلنے والے

ٹھیک آئی تن پہ اپنے قبائے برہنگی
باقی لباس چھوٹے ہوئے یا بڑے ہوئے

آئینہ نے کیا ہے جو صورت سے آشنا
گردن میں انکی ہاتھ ہیں انکے پڑے ہوئے

نہ فکر شعر ہے نہ وہ مضموں تلاشیاں
آتش سے تو نہیں کہیں خواجہ لڑے ہوئے

طاق ابرو ہیں پسند اک دلخواہ کے
عمر ہوتی ہے بسر گنبد میں بسم اللہ کے

حشر تک یوں ہی رہیں گے غمزہ و انداز و ناز
عشق عالی منزلت سے حسن والا جاہ کے

کب سماتی ہے نظر میں روشنی آفتاب
چشم بینا رکھتے ہیں ذرے تری درگاہ کے

گدا نواز کوئی شہسوار راہ میں ہے
بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے

شباب تک نہیں پہونچا ہے عالم طفلی
ہنوز حسن جوانی یار راہ میں ہے

عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں
نہ کوئی شہر نہ کوئی دیار راہ میں ہے

طریق عشق میں اے دل عصائے آہ ہے شرط
کہیں چڑھاؤ کسی جا اتار راہ میں ہے

طریق عشق کا سالک ہے واعظوں کی نہ سن
ٹھگوں کے کہنے کا کیا اعتبار راہ میں ہے

سمند عمر کو اللہ رے شوق آسائش
عناں گسستہ و بے اختیار راہ میں ہے

نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے
فقط عنایت پروردگار راہ میں ہے

تلاش یار میں کیا ڈھونڈھئے کسی کا ساتھ
ہمارا سایہ ہمیں ناگوار راہ میں ہے

جنوں میں خاک اڑاتا ہے ساتھ ساتھ اپنے
شریک حال ہمارا غبار راہ میں ہے

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

کوئی تو دوش سے بار سفر اتارے گا
ہزار راہ زن امید وار راہ میں ہے

مقام تک بھی ہم اپنے پہونچ ہی جائینگے
خدا تو دوست ہے دشمن ہزار راہ میں ہے

بلائے جان مسافر ہے خواب شیریں بھی
یہی وہ شہد ہے جو زہر مار راہ میں ہے

پتا یہ کوچہ قاتل کا سن رکھ اے قاصد
بجائے سنگ نشاں اک مزار راہ میں ہے

پیادہ پا ہوں رواں سوئے کوچہ قاتل
اجل مری مرے سر پر سوار راہ میں ہے

تھکیں جو پانوں تو چل سر کے بل نہ ٹھہر آتش
گلِ مراد ہے منزل میں خار راہ میں ہے

عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے
ہوائے گل میں ہم کس وادیٔ پرخار میں آئے

نہ چین اے ترک بے رحم ابرو خمدار میں آئے
لگا خامی کا دھبہ بل جہاں تلوار میں آئے

اٹھائے بار عشق اس عالم غدار میں آئے
کہاں سے ہم کہاں بگڑے ہوئے بیگار میں آئے

اشارہ ہے یہی ان کے لب شیریں کے خالو نمکا
ملائے کو نمک ہم شربتِ دیدار میں آئے

کمندوں سے نہیں کم سبحۂ زنار کے حلقے
پھنسے وہ جو فریب کافر دیندار میں آئے

خریداروں میں عاشق اپنے ناموں کو ہیں لکھواتے
تماشا ہے وہ یوسف بن کے ہیں بازار میں آئے

نموئے سبزہ نورس نہیں اس روئے رنگیں پر
جناب خضر بہر سیر ہیں گلزار میں آئے

بہار حسن دکھلائی نہ مشتاقو نکی آنکھوں کو
نہ نکلے گھر سے تم گل باغ سے بازار میں آئے

گئے جس بزم میں روشن چراغ حسن سے کردی
بہار تازہ آئی تم اگر گلزار میں آئے

وضو ہوتے ہیں مے سے خشت خم پر شکر کے سجدے
نمازی لوگ بھی ہیں خانہ خمار میں آئے

اڑے ہوش اپنے نظارہ میں اے گل تری صورت سے
غش آیا جب مقام نرگس بیمار میں آئے

مشقت کر کے دیوانے نہ تھے جو بے سبب آئے
پری کو ڈھونڈھنے اس قصر مینا کار میں آئے

——— ۰ ۰ ———

معرفت میں تیری ذات پاک کے — اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے
وہ گریباں آگ میں رکھ دیجئے — موسم گل میں جو ہوں بے چاک کے
قید رکھتے موسم گل کی نہیں — ولولے تیرے گریباں چاک کے

——— ۰ ۰ ———